ابنِ صفی

جلد نمبر
11

جاسوسی دنیا

33- برف کے بھوت

34- پرہول سناٹا

35- چیختے دریچے

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 11

33	برف کے بھوت
34	پرہول سناٹا
35	چیختے دریچے

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام ، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلیشر .... خالد سلطان

پرنٹر .... ہاشم انٹرپرائزز

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 33

برف کے بھوت

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا تینتیسواں کارنامہ اور چھٹا خاص نمبر ہے۔ اس کی کہانی ٹیکم گڈھ اور سیتل گھاٹی کے خوفناک ماحول کے گرد گھومتی ہے۔ برفانی پہاڑیوں اور گپھاؤں میں ایک ایسی طلسماتی فضا ملتی ہے جہاں پہنچ کر آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے.... پہاڑیوں پر ڈیڑھ فٹ لمبے پنجوں کے نشانات اور برف کے بھوت، واہمہ نہ تھے۔ انہیں لوگوں نے دیکھا تھا پُراسرار طور پر نوجوان عورتوں اور مردوں کا غائب ہونا ایک بھیانک سازش کا نتیجہ تھا۔ مگر سازشی اور مجرم کون تھا؟

یہ ایک عجیب وپُراسرار کہانی تھی۔

فریدی اپنے انوکھے انداز سے اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے۔ پہلی بار اُس کا مقابلہ ایسی شخصیت سے ہوتا ہے، جو صرف مجرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کا دشمن ہے۔ اُس کے بھیانک ارادے ساری دنیا کے لئے تباہ کن ہیں۔ فریدی اپنی زندگی کی بازی لگا کر اُس سے مقابلہ کرتا ہے۔

فریدی کے ساتھیوں میں غزالہ، شہناز، میجر نصرت کے علاوہ آپ کو عجیب وغریب شخصیتیں اور بھی ملیں گی۔ ان میں ایک فرزانہ ہے جسے بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خبط ہے۔ دوسرا قاسم ہے، جو اب طاقتور ہے، موٹا ہے، بھدا ہے۔ بیوقوف ہے مگر انتہائی مخلص ہے، جسے عشق کی تلاش ہے۔ مگر عشق جس سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔

گرومی کا کردار عجیب وغریب ہے۔ وہ ذہن پر ایک عجیب تاثر چھوڑ جاتا ہے اور ڈاکٹر سڈلر! میرا دعویٰ ہے کہ آپ اُسے کبھی نہ بھول سکیں گے۔

ابن صفی کے جادو نگار قلم نے اس بار تحیر واستعجاب کی آتشبازیوں میں رن وطلسمات کے قہقہہ آفرین پھول کھلائے ہیں۔ ایک بار پھر انہوں نے ثابت کر دیا کہ ان کے قلم کی انگڑائیوں میں لافانی دلچسپیوں اور انوکھے پن کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ ایک شہنشاہ کی طرح وہ جب اور جس طرح چاہتے ہیں اپنے قلم کو دلچسپ سمتوں میں موڑ دیتے ہیں۔ برف کے بھوت اُن کے خوشہ چینیوں کے لئے ایک بار پھر

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں؟ کے لئے

کا پیغام لاتا ہے۔

پبلشر

پُراسرار نشانات

موسم بہار کا آخری پرندہ بھی دردناک آوازوں میں کراہتا ہوا اڑ گیا۔

ٹیکم گڈھ کی پہاڑیوں میں برف گرنے لگی تھی۔ پہاڑی نالوں کی سطحیں جم گئیں تھیں لیکن اُن کے نیچے اب بھی پانی بہہ رہا تھا اور جہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی وہاں سے لہریں تک صاف دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سورج نکل آتا اور چند ہی گھنٹوں میں برف کی تہہ پگھل جاتی اور نالے پھر اپنی پہلی سی طوفان خیزیوں کے ساتھ بہنے لگتے۔

درختوں کی شاخیں پتیوں سے محروم تھیں۔ البتہ سدا بہار درخت اب بھی اپنی سبز قبا سمیت پُر غرور انداز میں سر اٹھائے کھڑے تھے۔

سردیوں میں ساری رونق ختم ہو جاتی ہے۔ درختوں کے تنوں سے لپٹی ہوئی خود رو بیلیں اپنے زرد نیلے اور سرخ پھولوں سمیت سیاہ رنگ کی پتلی ڈوریوں کی شکل میں تبدیل ہو کر جھولتی رہ جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے گوشت چھوڑ کر ہڈیاں پھینک دی ہوں۔

اس موسم میں میدانوں کے وہ سیاح بھی نہیں دکھائی دیتے جو رومان کی تلاش میں یہاں آتے ہیں۔ وہ تخیل پرست نوجوان بھی نہیں نظر آتے جو موسم بہار میں یہاں کے لکڑی کے مکانوں میں بیٹھ کر اسٹرونگ قسم کی کافی اور تلخ تمباکو والے سگاروں کے ساتھ خود کو سوئٹزر لینڈ کے کسی گاؤں میں محسوس کرتے ہیں۔

سردیوں کے موسم میں اگر ٹیکم گڈھ کی پہاڑیوں میں رائفلوں کی آوازیں نہ گونجتی رہیں تو اُسے مردوں کی بستی بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ بڑے بالوں والی لومڑیوں اور بھیڑیوں کے شکاری ہی

یہاں تھوڑی سی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ بھی یہاں کے مقامی باشندے نہیں ہوتے، میدانی علاقوں سے آتے ہیں۔ علاقائی حکومت معقول معاوضے پر انہیں شکار کی اجازت دے دیتی ہے اور انہیں کی بدولت شونگلو قوم کے افراد سردیوں میں بھی تھوڑی بہت کمائی کرتے رہتے ہیں۔ وہ شکار کئے ہوئے جانوروں کی کھالیں اتارتے ہیں اور اُن میں نمک لگا کر اس طرح پیک کرتے ہیں کہ وہ کافی عرصے تک ٹینری کی شکل دیکھے بغیر بھی خراب نہیں ہوتیں۔ ان کے علاوہ یہاں سردیوں میں دوسرے مزدوروں کو عموماً ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہی بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

شکاریوں کی بدولت یہاں کے کئی ہوٹل سردیوں میں بھی آباد رہتے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت ''فزارو'' کو حاصل ہے۔ مقامی باشندے اسے ''رشک ارم'' بھی کہتے ہیں۔ موسم بہار میں تو یہ سچ مچ رشک ارم ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اتنی بلندی پر واقع ہے کہ یہاں سے دور دراز کے پہاڑی سلسلوں کی برفانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی ہیں اور اسی بناء پر زیادہ تر شکاری یہیں قیام کرتے ہیں۔ یہاں سے انہیں اپنے شکار پر نظر رکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

''فزارو'' لکڑی کی ایک خوبصورت اور سادہ سی عمارت ہے۔ مسافروں کے قیام کے لئے اس میں بیس کمرے ہیں۔ اس کی بیرونی دیواریں، جو بڑے بڑے گول شہتیروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہیں بھورے رنگ کے وارنش سے رنگی ہوئی ہیں۔ اندر کی طرف لگے ہوئے سپاٹ تختوں پر سفیدے کا پینٹ ہے اور اندر سے یہ دیواریں پہلی نظر میں لکڑی کی نہیں معلوم ہوتیں۔

آج مطلع صبح سے ابر آلود تھا اور برف گرنے کے سارے امکانات موجود تھے۔ لیکن فزارو کی چمنیاں سنسان پڑی تھیں، حتیٰ کہ باورچی خانے کی چمنی سے بھی دھواں نہیں اٹھ رہا تھا۔

ٹیکم گڈھ کا ایک پولیس آفیسر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ صبح ہی سے وہاں موجود تھا اور فزارو کے مینجر کا چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے اُس پر بھی برف کے ذرات کی تہہ جم گئی ہو۔ یہ ایک بھاری بھر کم مگر معصوم صورت آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ آنکھیں بڑی اور عمر کی مناسبت سے غیر معمولی طور پر چمکیلی تھیں۔ چہرا ابھرا ہوا تھا لیکن اُس پر کرختگی کی بجائے نرماہٹ تھی۔ ایسی نرماہٹ جسے عام طور پر نرم دلی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہا تھا۔ کبھی وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر نظریں جما دیتا تھا۔

''لڑکی کا کیریکٹر کیسا تھا۔'' دفعتاً پولیس آفیسر نے اُسے مخاطب کیا۔

''کیریکٹر.....!'' منیجر آہستہ سے بولا۔ ''میری دانست میں تو وہ بُری لڑکی نہیں تھی۔''

''آپ اپنی دانست کو رہنے ہی دیجئے۔'' پولیس آفیسر نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ''میں دوسرں کی رائے پوچھتا ہوں۔''

''تب بھی آپ زیادتی کر رہے ہیں۔'' منیجر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ ''دوسروں کی رائے دوسروں سے پوچھئے۔''

پولیس آفیسر اس تلخ جواب کو اپنے ایک ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر ٹال گیا۔

منیجر مضطربانہ انداز میں اپنی انگلیاں کاؤنٹر پر کھٹکھٹاتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ڈائننگ ہال میں چھ متنفس داخل ہوئے جن میں چار عورتیں اور دو مرد تھے۔ مردوں میں ایک بوڑھا مگر وجیہہ اور کافی تندرست تھا۔ دوسرا ایک قبول صورت اور قوی الجثہ نوجوان تھا۔ عورتوں نے اپنی کھال والی سرمائی ٹوپیاں اس طرح جھکا رکھی تھیں کہ خدوخال کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ ان سبھوں نے لمبی لمبی پوستینیں پہن رکھی تھیں۔

''فرمایئے۔'' منیجر اُن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پولیس والے بھی انہیں گھور رہے تھے۔

''مجھے رشید الزماں کہتے ہیں۔'' معمر آدمی نے کہا۔ ''کیا آپ کو ہمارا تار نہیں ملا۔''

''اوہو.....جی ہاں.... تار ملا تھا.... مگر مجھے افسوس ہے کہ میں کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔''

''کیوں؟'' نوجوان اُسے گھور کر بولا۔

''ساری لڑکیاں چلی گئیں۔ یہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔'' منیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

''لڑکیاں! حادثہ۔'' معمر آدمی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''جی ہاں لڑکیاں.... وہی تو سب کچھ تھیں۔ نہ میں کھانا پکا سکتا ہوں اور نہ سرو کر سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔'' معمر آدمی نے سر ہلا کر کہا۔ لیکن وہ اب بھی جواب طلب نظروں سے منیجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اور پھر آپ کے ساتھ لیڈیز بھی ہیں۔'' منیجر نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد وہ خود بھی یہاں ٹھہرنا پسند نہ کریں گے۔''

''تو بتایئے نا واقعہ۔'' نوجوان جھنجھلا کر بولا۔ ''آخر اب ہم کہاں جائیں گے۔ آپ کو ایک ماہ

پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔"

"جناب والا! آپ کا غصہ بجا ہے۔" منیجر نے غم انگیز انداز میں کہا۔ "لیکن حادثات اچانک ہی ہوتے ہیں۔"

پولیس والے بدستور خاموش بیٹھے رہے۔ البتہ اُن کا آفیسر اُس مختصر سی ٹولی کو بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کچھ بتایئے گا بھی...." نوجوان بولا۔

منیجر پولیس والوں کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد اُس نے کہا۔ "ہماری ایک لڑکی کو کوئی پچھلی رات اٹھالے گا۔ برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے....!"

اس کا جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ پولیس آفیسر میز پر ایک زوردار گھونسہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سب چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

"فضول باتیں نہیں۔" پولیس آفیسر نے منیجر کو مخاطب کیا۔ "اپنے بزنس کی باتیں کیجئے۔"

"جناب والا! وہی کہنے جارہا تھا۔" منیجر کی خوش اخلاقی میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا۔ پھر اُس نے اجنبیوں کی طرف مڑ کر کہا۔ "ساری لڑکیاں خائف ہو کر شہر چلی گئی ہیں اور میں فی الحال دوسرے ملازمین کا انتظام نہیں کر سکتا، بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ نئے آدمی آپ کی تکلیف کا باعث ہوں گے۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے۔" نوجوان مسکرا کر بولا۔ "ہم اپنی خدمت آپ کر لیں گے۔ ہمیں صرف جگہ چاہئے۔"

"اوہو! تب تو.... تب تو کمرے ایک ماہ قبل ہی سے مخصوص کر دیئے گئے تھے.... مگر لیڈیز۔"

"لیڈیز کے لئے بھی آپ فکر مند نہ ہوں۔" نوجوان نے کہا۔ "ہمارے چار ساتھی سامان کے ساتھ آرہے ہیں۔ ہم لیڈیز کی بھی حفاظت کر لیں گے۔"

"آخر بات کیا ہے؟" معمر آدمی نے پوچھا۔

اس اثناء میں پولیس آفیسر میز سے اٹھ کر اُن کے قریب آ گیا تھا۔ اُس نے ان سے پوچھا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔"

"مسافر ہیں کچھ دن شکار کھیلیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔" نوجوان نے کہا اور پھر منیجر

کی طرف مڑ کر بولا۔ ”تو پھر ہمیں ہمارے کمرے دکھا دیجئے۔“

”مسافر.....!“ پولیس آفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔ ”میں آپ سے آپ کا نام اور پتہ پوچھ رہا ہوں۔“

”ابھی ہم سب ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام اور پتہ تحریر کریں گے۔“ اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

عورتیں بے اختیار مسکرا پڑیں۔ منیجر اٹھ کر انہیں کمرے دکھانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پولیس آفیسر اُسے گھور کر بولا۔ ”ابھی ان کمروں کی طرف کوئی نہیں جا سکتا۔“

منیجر بے بسی سے مسافروں کی طرف دیکھنے لگا۔

”ظاہر ہے کہ ہم اس کمرے میں نہ جائیں گے۔“ نوجوان نے آفیسر سے کہا۔

”کس کمرے میں۔“ آفیسر کی آنکھوں سے شبہ جھانکنے لگا۔

”جہاں واردات ہوئی ہے۔“

”آپ کو کیا علم کہ واردات کسی کمرے میں ہوئی ہے۔“ آفیسر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

”بالکل سامنے کی بات ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”ظاہر ہے کہ اُسے سوتے وقت ہی کوئی اٹھا لے گیا ہوگا اور اس موسم میں وہ کسی کمرے ہی میں سوئی ہوگی۔“

آفیسر اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر منیجر سے بولا۔ ”کمرے کے دروازے کے سامنے والے فرش پر میں کسی قسم کے نئے نشانات دیکھنا پسند نہ کروں گا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مطلب یہ کہ میں فوٹو گرافروں کا انتظار کر رہا ہوں۔“ آفیسر نے کہا۔ ”اُن کے آنے سے قبل کسی کو اُس طرف سے نہ گذرنا چاہئے۔“

”بہت بہتر۔“ منیجر بولا۔ ”لیکن آپ لوگوں کے کمرے ادھر نہیں ہیں۔“

پولیس آفیسر کچھ کہے بغیر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔

منیجر نے سر کے اشارے سے آنے والے کو اندر چلنے کو کہا۔

ڈائننگ ہال سے نکلتے ہی معمر آدمی نے منیجر سے پوچھا۔ ”آخر بات کیا ہے؟“

”کیا بتاؤں جناب.... انہونی! پچھلی رات بھی کسی وقت برف باری ہوئی تھی اور اس کے

بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا۔ یہاں کی لڑکیوں میں سے ایک جو اپنے کمرے میں سوئی تھی پُر اسرار طور پر غائب ہو گئی۔ باہر کھڑکی کے نیچے برف میں ڈیڑھ فٹ لمبے انسانی پیروں کے نشانات ملے ہیں۔"

"کیا....؟" نوجوان چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ سب ٹھہر گئے۔ عورتوں نے اپنی بالدار ٹوپیاں اوپر کر لیں۔ اُن کے چہروں پر استعجاب اور خوف کے ملے جلے آثار تھے۔

"جی ہاں۔" منیجر سر ہلا کر بولا۔ "ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات جواب بھی قائم ہیں اور کمرے کے اندر بھیگے ہوئے پیروں کے دھبے جو خشک ہو جانے کے بعد بھی موجود ہیں۔"

"اُس کے غائب ہو جانے کے متعلق صبح معلوم ہوا؟" نوجوان نے پوچھا۔

"جی ہاں.... اور پھر بقیہ لڑکیاں کسی طرح نہ رک سکیں۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کی خدمت سے محروم ہو گیا۔ فزارو اپنی سروس کے لئے پورے شہر میں مشہور ہے۔"

"تو اب یہ پولیس والے کیا کر رہے ہیں؟" نوجوان نے کہا۔

"کریں گے کیا؟ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ لوگ میرے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے کیونکہ میں اپنی لڑکیوں پر کڑی نظریں رکھتا ہوں۔ انہیں غلط راستوں پر نہیں جانے دیتا۔"

وہ گفتگو کرتے ہوئے اُن کمروں کے سامنے آ گئے۔

"آپ کے پاس کمرے تو کل بیس عدد ہیں۔" نوجوان بولا۔ "ایک ایک کمرہ اُن لڑکیوں کے قبضے میں ہو گا۔ ویسے ہی برسبیل تذکرہ.... کتنی لڑکیاں یہاں تھیں۔"

"آٹھ.... لیکن اُن کے لئے صرف دو کمرے ہیں۔"

"تو وہ لڑکی اس کمرے میں تنہا نہیں تھی۔"

"تنہا تھی! وہ دراصل ہیڈ ویٹریس تھی۔ اس لئے الگ سوتی تھی۔ اُس کا چھوٹا کمرہ الگ ہے اُسی سے ملا ہوا دوسرا بڑا کمرہ ہے جس میں بقیہ سات سوتی تھیں۔"

"انہوں نے بھی پچھلی رات کو کوئی آواز نہیں سنی تھی۔" نوجوان نے پوچھا۔

"جی نہیں.... یہ دیکھئے یہی آپ کے کمرے ہیں۔ میں نے اس کا خاص خیال رکھا تھا کہ سب ایک ساتھ ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں اُن حضرات کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"اوہ شکریہ.... آپ جا سکتے ہیں۔" نوجوان نے کہا۔

منیجر کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں۔

"کیوں فریدی میاں۔" معمر آدمی نے مسکرا کر کہا۔ "اب بھلا تمہارا دل شکار میں کیوں لگنے لگا۔"

عورتیں ہنس پڑیں۔ لیکن ان کی آوازوں میں خوف تھا۔

"نہیں ضروری نہیں کہ یہ کیس مجھے اپنی طرف متوجہ ہی کر لے۔" فریدی بولا۔

کچھ دیر بعد وہ سب ایک ہی کمرے میں بیٹھے راستے کی تھکن اتار رہے تھے۔

کمرے کے آتشدان میں کچھ کچھ آگ باقی تھی اور انہیں کوئلوں کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"میں کوئلوں کے لئے کہتا آؤں۔" نوجوان اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ راہداری میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

آنے والا وہی پولیس آفیسر تھا جس سے کچھ دیر قبل ان کی گفتگو ہوئی تھی۔

"کیا آپ حضرات اپنے نام اور پتے نوٹ کرا دیں گے۔" اُس نے اپنی نوٹ بک کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔

نوجوان کے ماتھے پر بل پڑ گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر کہا۔

"ضرور ضرور مجھے احمد کمال کہتے ہیں اور آپ نواب رشید الزماں صاحب ہیں۔"

اس کے بعد اس نے پتے بھی لکھا دیئے۔

"آپ کے کچھ اور بھی ساتھی ہیں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں.... چار.... وہ بھی آ ہی رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک صاحب ساجد حمید ہیں دوسرے قاسم رضا۔ تیسرے کرنل شمشاد اور چوتھے.... زاہد کریم۔"

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" پولیس آفیسر نے نام اور پتے لکھ لینے کے بعد کہا "یہاں قیام کرنے والے تمام مسافروں کے نام اور پتے ہمیں نوٹ کرنے پڑیں گے اور پھر آپ کے ساتھ تو خواتین بھی ہیں.... لیکن انہیں یہاں اس موسم میں تکلیف ضرور ہو گی۔"

وہ چند لمحوں کے لئے رکا پھر اس کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک کی خواتین بھی سردیوں کے شکار میں دلچسپی لینے لگی ہیں اور یہ حقیقتاً ایک حیرت انگیز بات ہے۔"

قبل اس کے کہ نواب رشید الزماں جھلا کر کچھ کہتے وہ کمرے سے جا چکا تھا۔

"عجیب بدتمیز آدمی ہے۔" نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بولی۔

"ڈر گئے ہیں۔" فریدی مسکرا پڑا۔

"یہ آپ نے اپنا پتہ اور پیشہ غلط کیوں لکھایا ہے۔" غزالہ نے اس سے کہا۔

"مصلحتاً.... یہاں لوگوں سے ملنے ملانے میں شکار کا مزا کرکرا نہیں کرانا چاہتا۔" فریدی بولا۔

اس نے یہ بات حقیقتاً بالکل ٹھیک کہی تھی۔ شکار کا مزہ واقعی کرکرا ہو جاتا، یہاں اس کے بہتیرے جان پہچان والے تھے اور ان کے علاوہ نئے بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت تو اُسے کسی طرح ہوٹل میں ٹھہرنے ہی نہ دیتا۔

"ہمیں حراساں کرنے کی سعی لاحاصل۔" ایک عورت بڑبڑائی اور فریدی بُرا سا منہ کر دروازے کے باہر دیکھنے لگا۔ یہ عورت راستہ بھر اس کے لئے باعث کوفت بنی رہی تھی اسے گفتگو کے دوران میں بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خبط تھا۔ یہ نواب صاحب کے دوست کرنل شمشاد کی لڑکی فرزانہ تھی۔

شکار کا پروگرام فریدی ہی نے بنایا تھا لیکن اُسے گمان بھی نہ تھا کہ کچھ عورتیں بھی گلے لگ جائیں گی۔ سرجنٹ حمید کے لئے تو دلچسپی کا بہترین سامان ہو گیا تھا لیکن فریدی مستقل طور پر اکتاہٹ کا شکار تھا۔

"مجھے ڈائننگ ہال میں ٹھہرنا چاہئے۔" فریدی نے نواب رشید الزماں سے کہا "ورنہ کہیں حمید صاحب اُس آفیسر سے لڑ نہ پڑیں۔"

حمید کی پرانی دوست شہناز نے ناک سکوڑ کر غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ مسکرا پڑی۔

"حمید صاحب غیر شعوری طور پر بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

فریدی کے لئے کمرے میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔

فریدی کو فرزانہ سے سچ مچ ضد سی ہو گئی تھی کیونکہ عورتوں کو شکار کے لئے اسی نے اکسایا تھا۔ اُسی نے سب سے پہلے نواب رشید الزماں کی لڑکی غزالہ کو اس پر آمادہ کیا پھر زاہد کریم کی بیوی صوفیہ بھی تیار ہو گئی۔ یہ ایک نوگرفتار جوڑا تھا.... یعنی ان کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی۔ زاہد کریم نواب رشید الزماں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

فریدی کمرے سے اٹھ کر ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ یہاں اب بھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔

کچھ اور آفیسر بھی آ گئے تھے۔ ان میں محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت بھی تھا۔ فریدی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ شاید اس طرح بے دھڑک ڈائننگ ہال میں داخل نہ ہوتا۔

"ہیلو.....!" میجر نصرت متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف مڑا۔ "ارے آپ۔"

مصافحہ کرتے وقت فریدی اُسے ایک خالی گوشے کی طرف کھینچ لے گیا۔

"تو کیا ان نئے آنے والوں میں سے آپ بھی ہیں۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔" بوڑھے میجر نصرت نے مسکرا کر بزرگانہ انداز میں کہا۔ "میری موجودگی میں ہوٹل کا قیام.... زیادتی ہے آپ کی۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ کو شکایت ہوگی لیکن میرے ساتھ اور بھی ہیں۔"

"ان کا بھی انتظام ہو سکتا تھا۔"

"دراصل ہم شکار کی غرض سے آئے ہیں اور یہ ہوٹل اس کے لئے بہت مناسب ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میجر نصرت ہنس کر بولا۔ "نہ یہاں آپ کے قدم آتے اور نہ یہاں ایک دلچسپ واردات ہوتی۔"

"اوہ.... تو کیا آپ کی نظروں میں ان نشانات کی کوئی اہمیت نہیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ نے وہ نشانات دیکھے۔"

"نہیں! ابھی تو نہیں۔"

"آیئے میرے ساتھ۔ یہ ٹیکم گڈھ ہے یہاں آئے دن اس طرح کے شعبدے نظر آتے ہیں۔" میجر نصرت نے کہا۔

وہ دونوں باہر جانے لگے۔ وہ آفیسر جس نے فریدی وغیرہ کے نام اور پتے لکھے تھے انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"شعبدے! میں نہیں سمجھا۔" فریدی بولا۔

"اوہو....!" میجر نصرت نے کہا۔ "تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات کسی ذی روح کے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... وہ دونوں اُس کھڑکی کے نیچے آئے جہاں وہ عجیب و غریب نشانات اب بھی موجود تھی۔ اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو کانسٹیبل اُن کی حفاظت کر رہے تھے۔

فریدی نے اُن نشانات پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور زمین سے بارہ فٹ اونچی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں کچھ اخبارات کے رپورٹر آگئے۔ انہوں نے برف پر پڑے ہوئے نشانات کے فوٹو لینے چاہے لیکن کانسٹیبلوں نے روک دیا۔

"میں بھی آپ کو یہی مشورہ دوں گا۔" میجر نصرت فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "خواتین کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی یہاں اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"واقعہ! تو کوئی نہیں ہوا۔" میجر نصرت نے کہا۔ "لیکن پچھلے پندرہ دنوں سے اس قسم کے نشانات مختلف جگہوں پر دیکھے جا رہے ہیں۔"

"پندرہ دن سے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی نظریں بڑی بے چینی سے گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ٹھیک کھڑکی کے نیچے دو نشانات تھے۔ ان کے علاوہ اور کہیں اس قسم کا کوئی نشان موجود نہیں تھا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "گویا وہ دیو آسمان سے ٹپکا تھا۔"

"فریدی صاحب! میرا خیال ہے کہ جس وقت برف گر رہی تھی اُس وقت یہ واردات ہوئی اور بقیہ نشانات پُر ہو گئے اور وہ دونوں نشانات برف باری ختم ہو جانے کے بعد بنائے گئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے.... مگر کیا! ان نشانات کے علاوہ صبح یہاں کچھ دوسرے ایسے نشانات بھی دیکھے گئے تھے، جو ان کی طرح غیر معمولی نہ رہے ہوں۔"

"جی نہیں.... برف کی سطح بے داغ تھی۔ کم از کم دو سو گز کے رقبے میں کوئی دوسرا نشان نہیں تھا۔"

"تب تو پھر میرے خیال سے یہ بات بھی درست نہیں کہ برف باری کے بعد یہ نشان بنائے گئے۔ ظاہر ہے کہ آنے والا اپنے ہی پیروں سے چل کر یہاں تک آیا ہوگا۔"

میجر نصرت کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظریں کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے سکوت

طاری ہو گیا۔ کھڑکی سے البتہ کچھ آوازیں آرہی تھیں۔ اندر شائد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر نشانات کے فوٹو لے رہے تھے۔

"اچھا اندر والے نشانات....!" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آیئے وہ بھی دکھاؤں۔" میجر نصرت نے کہا۔

"نہیں پھر دیکھ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔ اُس کی نظریں اپنے بقیہ ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

سرجنٹ حمید اور دوسرے لوگ بار بردار قلیوں کے ہمراہ ہوٹل کی طرف آرہے تھے۔ سرجنٹ حمید نے اپنے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکا رکھا تھا۔ وہ سب لمبی لمبی پوستینیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

کرنل شمشاد ادھیڑ عمر اور گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ اس کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بھورے رنگ کی تھی جس میں کہیں کہیں سفید بال بھی نظر آرہے تھے۔ لیکن چہرے کی جلد پر بڑھاپے کے آثار نہیں تھے۔ آنکھیں سخت گیر آدمیوں کی سی تھیں۔ خدوخال تیکھے تھے لیکن وہ اُسی وقت تک غصہ ور معلوم ہوتا تھا جب تک خاموش رہتا تھا اور جب گفتگو کرتا تو کم از کم کسی نئے آدمی کو تو اپنے قیاس پر سخت شرمندگی ہوتی تھی۔ شرمندگی کی بات بھی تھی کیونکہ کرنل کا لہجہ ہمیشہ محبت آمیز ہوا کرتا تھا۔ آواز میں بلا کی نرمی تھی۔ بہرحال سو فیصدی لوگ اس کی شکل سے اس کے کردار کا غلط ہی اندازہ لگاتے تھے۔

زاہد کریم چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔ اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو اسے عام آدمیوں سے مختلف ظاہر کرتی۔

البتہ تیسرا آدمی قاسم رضا ایسا تھا جو اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے پوری پارٹی میں نمایاں نظر آرہا تھا۔ بس وہ ایسا ہی تھا کہ اس کے ملنے والے ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اُسے ایک مینار نما گنبد سمجھیں یا گنبد نما مینار۔ سرجنٹ حمید نے اس کے متعلق صرف ایک جملہ اپنی ڈائری میں نوٹ کیا تھا۔ وہ یہ کہ قاسم شاید عوج بن عنق کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

بہرحال قاسم کی انتہائی درجہ لمبائی اور چوڑائی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ بقول حمید چونکہ اس کی کھوپڑی سطح سمندر سے بہت اونچی تھی اس لئے وہاں سال بھر برف جمی رہتی تھی۔

فریدی اپنے ان چاروں ساتھیوں کو نشیب سے چڑھائی کی طرف آتے دیکھتا رہا۔ میجر نصرت کو کوئی خاص بات یاد آگئی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ماتحتوں کو روشنی بخشنے کے لئے اندر چلا گیا تھا۔

فریدی کے ساتھی سڑک چھوڑ کر اُسی ٹیکرے پر چڑھ آئے جس سے ہوٹل کو راستہ جاتا تھا۔

حمید سب سے آگے تھا اور اس طرح جھوم جھوم کر چل رہا تھا جیسے بہت زیادہ تھک گیا ہو۔

فریدی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے اب بھی بھیڑ تھی اور پولیس والوں کی خاکی ٹوپیاں دور سے بھی پہچانی جاسکتی تھیں۔

دفعتاً سرجنٹ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ والے اُس سے دو چار قدم آگے بڑھ گئے۔ لیکن پھر انہیں بھی رک کر حمید کی طرف پلٹنا پڑا۔ فریدی اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"کیا یہ سب ہمارے استقبال کیلئے تشریف لائے ہیں۔" حمید نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایک دلچسپ کیس۔"

"کیس....!" حمید کے ہاتھ سے سوٹ کیس چھوٹ پڑا۔ "تو یہ نامراد ہم سے پہلے ہی پہنچ گیا۔"

"یہ کیا بیہودگی۔" فریدی نے جھک کر سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

لیکن حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اُس کی پھٹی پھٹی سی ویران آنکھیں خلاء میں کسی نامعلوم نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ یکایک وہ بھد سے برف پر بیٹھ گیا۔

"حمید....!" فریدی نے جھنجھلا کر اُسے مخاطب کیا۔

لیکن حمید دوسرے لمحے میں چت ہو چکا تھا۔ کرنل شمشاد وغیرہ بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑے.... بار بردار قلیوں نے بھی شاید سامان رکھنا ہی چاہا تھا کہ فریدی نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت اُسے سچ مچ حمید کی اس حرکت پر غصہ آگیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سور نہ موقع دیکھتا ہے اور نہ محل بس اپنی حرکتوں سے سروکار۔

قلی سامان اٹھائے ہوئے اس کے ساتھ کمروں تک آئے اور وہ سامان رکھوا ہی رہا تھا کہ قاسم حمید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ حمید شاید اب تک بیہوش تھا۔ قاسم کے چہرے پر ایک غم آلود سی سنجیدگی طاری تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ہاتھوں پر کوئی لاش اٹھائے ہوئے ہو۔

نواب رشید الزماں وغیرہ بوکھلا کر آگے بڑھے لیکن فریدی نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔

پھر قاسم اُسے مسہری پر لٹانے ہی جارہا تھا کہ حمید اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔

"شکریہ۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر بڑے بے تعلقانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

قاسم نے احمقوں کی طرح منہ بنا کر ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور پھر اس طرح سنجیدہ ہو گیا جیسے اُن کے کان یا ناک سے چوہا نکل پڑا ہو۔

تین شکاری

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے لیکن بات کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کرنل شمشاد اور زاہد کریم شاید نیچے رہ گئے تھے۔

"حمید صاحب! کوئی نیا شگوفہ۔" فرزانہ کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

حمید نے فوراً ہی اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اور اس کے ورق الٹتا رہا پھر اُسے دوبارہ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "برف میں ننھے ننھے پودے سڑ جاتے ہیں لہٰذا آج کل نہ شگوفے ہوتے ہیں اور نہ پھول۔"

قاسم نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

اتنے میں میجر نصرت کمرے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ حمید کی کرسی دروازے کے سامنے ہی تھی۔

"اوہو.... آپ.... کیا بات تھی۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"ارے میجر صاحب۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے.... آیئے۔"

"آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" میجر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ پھر اجنبیوں کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

فریدی مسکراتا ہوا اُس کی طرف مڑا۔

"آیئے میں آپ کا تعارف اپنے ایک بزرگ سے کراؤں۔" اُس نے نواب رشید الزماں کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور۔"

تھوڑی دیر بعد پھر اُس کیس کی گفتگو چھڑ گئی اور جب حمید کو واردات کے متعلق معلوم ہوا تو اس نے اُلوؤں کی طرح اپنے دیدے پھرانے شروع کر دیئے۔ پھر اُس نے قاسم کو اشارہ کیا اور وہ دونوں اٹھ کر کمرے کے باہر چلے آئے۔

"سنا! تم نے۔" حمید نے قاسم سے کہا۔ "ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات.. تمہارے پیر کا سائز کیا ہوگا۔"

"حمید بھائی.... میں اس وقت مغموم ہوں۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "اتنے لمبے چوڑے ہو کر بھی مغموم ہو۔"

"حمید بھائی میری زندگی میں ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن تم اتنی بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ میں تمہیں دلاسہ دینے سے معذور ہوں۔"

یہ حقیقت تھی حمید اُس کے شانوں سے بھی نیچا تھا۔

"حمید بھائی! میں سچ مچ مغموم ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ زاہد کریم کی بیوی اُس کے ساتھ آئی ہے۔"

"ہاں.... آں لیکن تمہیں کیوں پریشانی ہے۔"

"بہت بڑی ٹریجڈی۔" قاسم بسور کر بولا۔

"مت بور کرو یار مرے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "چلو ہم بھی ان نشانات کی زیارت کر آئیں۔"

دونوں ڈائننگ ہال سے گزر کر باہر جانے لگے۔

"حمید بھائی۔ یہاں سے میری واپسی محال ہے۔ میں یہیں مر جاؤں گا۔ برف میں دفن ہو جاؤں گا اور جب برف پگھلے گی تو حمید بھائی.... میری لاش...." قاسم کی آواز بھرا گئی۔

حمید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قاسم رومال سے اپنی آنکھیں خشک کر رہا تھا۔

"حمید بھائی! مجھے اُلو مت سمجھئے۔ میری زندگی بڑی دکھ بھری ہے۔" قاسم نے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے کسی سے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی تو نہیں ہوا۔" قاسم نے حماقت آمیز سنجیدگی سے کہا۔

حمید نے ایک بار پھر اُسے گھور کر دیکھا۔

پولیس والے شائد اپنا کام ختم کر چکے تھے کیونکہ اُن نشانات کے گرداب کافی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ جیسے ہی قاسم اور حمید وہاں پہنچے لوگوں کی دلچسپی اُن نشانات سے ختم ہو گئی۔ وہ سب قاسم کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور اُن میں سے بہتیروں کی نظریں اُسکے پیروں پر بھی تھیں۔

''ارے سچ مچ حمید بھائی۔'' قاسم بڑبڑایا۔ ''اتنے بڑے پیر!.... اُف فوہ۔''

ان نشانات کے متعلق یہ قاسم کا پہلا اور آخری جملہ تھا۔ اس کے بعد اُس نے پھر اپنے غموں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ نشانات کو دیکھتے ہی اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فریدی کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہو گی۔ حمید کو اب شکار اور تفریح کی سلامتی خطرے میں نظر آ رہی تھی اور وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں عورتوں کو کسی دوسری جگہ منتقل نہ کر دیا جائے۔

''حمید بھائی.... میں مر جاؤں گا۔'' قاسم نے پھر ہانک لگائی۔

''یہاں نہیں۔'' حمید بھنا کر بولا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ اُسے ڈائننگ ہال میں لایا۔

''بیٹھو.... اگر تم نے مجھے اپنی دکھ بھری داستان نہ سنائی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔''

اس جملے پر قاسم نے ایسا منہ بنایا جیسے بُرا مان گیا ہو۔

''میں واقعی بڑا بدنصیب ہوں۔'' اُس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''شروع ہو جاؤ.... اب کسی تمہید کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور ہاں سنو منظر نگاری کی ضرورت نہیں۔''

''منظر نگاری۔'' قاسم نے حیرت سے کہا ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ جب دو دل آپس میں ملتے ہیں تو قریب ہی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی سی ندی ضرور ہوتی ہے یا تو سورج غروب ہو تا رہتا ہے یا غروب ہی نہیں ہو تا یعنی رات ہوتی ہے اور ستارے مسکرا اٹھتے ہیں۔ کہکشاں رمبا یا فوکس ٹروٹ شروع کر دیتی ہے۔''

''واہ.... حمید بھائی۔'' قاسم ہنسنے لگا۔

حمید اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا اور وہ خود کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر

تک خاموشی رہی پھر قاسم بولا۔ ''اچھا حمید بھائی.... بھلا میری کیا عمر ہو گی۔''

''ساڑھے دس سال۔''

''نہیں آپ کو میری جان کی قسم۔''

''او بابا! میں کیا بتاؤں ڈیل ڈول سے چار ہزار برس قبل کے معلوم ہوتے ہو۔''

''حمید بھائی میں صرف اٹھائیس سال کا ہوں۔''

''چلو مان لیا.... پھر!''

''اچھا میری بیوی کی کیا عمر ہو گی۔''

''کیا! ارے تمہاری بیوی کی عمر۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں.... ہاں بیوی کی۔''

''تم واقعی چغد ہو گیا۔ میں کیا جانوں۔''

''پھر بھی اندازاً۔'' قاسم نے اتنی سنجیدگی سے کہا جیسے حمید اس کی بیوی کو بھی دیکھ چکا ہو۔

''کیا میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''اوہ.... حمید بھائی.... وہ صرف چودہ برس کی ہے۔ میرے باپ نے زبردستی مجھے قتل کر دیا۔''

''فکر مت کرو۔ میں قاتل کا سراغ لگاؤں گا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''حمید بھائی جب میں کسی عورت اور مرد کو ہنس ہنس کر باتیں کرتا دیکھتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ دھاڑیں مار مار کر روؤں۔''

''کیوں....!'' حمید نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

''حمید بھائی میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی۔''

''پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو کہ تم یہی جملہ کتنی بار دہراؤ گے۔''

''میرا دنیا میں کوئی ہمدرد نہیں۔'' قاسم سچ مچ بسورنے لگا۔

''مت بور کرو۔''

''میں خودکشی کر لوں گا۔''

''گھر پہنچ کر۔'' حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ''ورنہ تمہاری نومن کی لاش ہم سے تو نہ

اٹھے گی۔"

"ہائے اپنا کوئی نہیں۔" قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

حمید اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ قاسم اُس کی دلچسپیوں کا بہترین سامان تھا لیکن بعض اوقات وہ بڑی شدت سے بور کرنے لگتا تھا۔ دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی مگر قاسم تھوڑے ہی عرصے میں حمید کا گرویدہ ہو گیا تھا۔

"حمید بھائی میں رونا چاہتا ہوں۔" قاسم تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیوں بابا! کیوں بکو بھی۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"حمید بھائی! میں نہیں جانتا کہ میاں بیوی کی محبت کس چیڑیا کا نام ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی اسی ہوٹل میں قیام پر مصر رہا تو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ظاہر تھا کہ لڑکیوں کی موجودگی کے بغیر سروس ناممکن تھی اور پھر اگر کسی ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد ذاتی کام بھی خود ہی انجام دینے پڑے تو گھر کی یادوں سے کس طرح نکل سکے گی۔ تفریح دراصل ماحول سے فرار کا نام ہے اگر تفریح کے دوران میں پچھلے ماحول کی یاد دل میں کچوکے لگاتی رہے تو پھر وہ تفریح ہی کہاں رہ گئی۔

حمید پائپ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"تمہیں گانا آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں.... ہاہاہا۔" وہ احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ قاسم کی ہنسی کا انداز عجیب تھا۔ بس وہ ہنستا تھا بات بات پر ہنس دیتا تھا۔ مگر اس کا چہرہ ہر قسم کے اثرات سے عاری ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس ہنسی کا اُس کے دل سے ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔

"اٹھو یہاں سے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم اٹھ ہی رہا تھا کہ فریدی اور میجر نصرت بھی وہیں آ گئے۔ دونوں میں اُسی کیس کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ بھی اُسی میز پر آ گئے اور حمید نے نہ جانے کیوں کھسک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"مگر وہ کھڑکی۔" فریدی کہہ رہا تھا۔ "ظاہر ہے کہ وہ اُسے اندر سے بند کر کے سوئی ہو گی۔"

"بھئی وہ بھوت تھا نا۔" میجر نصرت مسکرا کر بولا۔ "پولیس نے اسے باور کر لیا ہے وہ غیر معمولی نشانات عرصہ سے یہاں شہرت پا رہے ہیں۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

"لیکن غنیمت یہی ہے کہ وہ بھوت ابھی تک کسی کو نظر نہیں آیا ورنہ ٹیکم گڈھ بڑی دلچسپ جگہ ہے۔" میجر نصرت پھر بولا۔

"پولیس والوں کا برتاؤ یہاں کے منیجر کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یہاں اُس کے متعلق کوئی بھی اچھی رائے نہیں رکھتا۔" میجر نصرت بولا۔

"کیوں؟"

"بھئی بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے یہاں ہر معاملے میں مشرقیت برقرار ہے لہٰذا کسی ایسی جگہ منیجر قسم کے آدمی کے لئے لوگ بُرے ہی خیالات رکھیں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"فزارو کے علاوہ اور کسی ہوٹل میں لڑکیاں نہیں ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن وہ بُرا آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"ہاں.... آں.... اس کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی بڑا بھولا پن موجود ہے لیکن میں اپنے پچپن سالہ تجربات کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض حالات میں چہرہ دل کی غمازی نہیں کرتا۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ قاسم اس طرح پہلو بدل رہا تھا جیسے وہ زبردستی وہاں بٹھایا گیا ہو اور اخلاقاً خود پر جبر کر رہا ہو۔

"بہرحال۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ اس واقعے کو کوئی غیر معمولی حادثہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"قطعی۔" میجر نصرت نے کہا۔ "میں بھوتوں اور شیطانوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ کر انگڑائی لی اور اس طرح ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے نظر آنے والی

پہاڑیوں کو دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو خیر اگلی انگڑائی پر تمہارا صفایا ہو جائے گا۔

"آپ نے عورتوں کے لئے کیا سوچا۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... وہ ساتھ ہی قیام کرنے پر مصر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں تو اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ ویسے آپ لوگوں کو اختیار ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ انمیں سے کوئی عورت ایسی نہیں ہے جس پر میں کسی قسم کا دباؤ ڈال سکوں۔"

"خوب یاد آیا۔" میجر نصرت نے مسکرا کر کہا۔ "آخر اب آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"شادی۔" سرجنٹ حمید نے دفعتاً چونک کر کہا۔ پھر میجر نصرت کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اُس نے فریدی کو گلے میں ایک عدد ٹائم پیس لٹکائے رکھنے کا مشورہ دیا ہو۔

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے میجر نصرت سے کہا۔

"بھئی میجر صاحب! شادی دراصل والدین کے شوق کی چیز ہے اور میں اتفاقاً والدین سے محروم ہو چکا ہوں۔"

"ہو.... اُو۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں آپ کے لئے والدین کا پورا سیٹ مہیا کر سکتا ہوں۔"

"جی....!" میجر نصرت نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں! فریدی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں اگر والدین نہ ہوئے تو بیوی خود ہی والدین بن بیٹھتی ہے۔"

میجر نصرت ہنس پڑا۔ قاسم خاموش بیٹھا رہا اور جب بات اس کی سمجھ میں بھی آ گئی تو اُس نے ایک اتنا زوردار قہقہہ لگایا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

میجر نصرت حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ شائد قاسم نے بھی موقع کی مضحکہ خیز صورت حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے اُس نے اچانک اپنا قہقہہ روک دیا اور بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی تیز رفتار موٹر کے چاروں پہیوں میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

"غالباً یہاں کی انکوائری ختم ہو گئی۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں... ارے.... مجھ سے سنئے۔ یہ اُسی منیجر کی حرکت ہے۔" میجر نصرت آہستہ سے بولا۔

"منیجر کی۔"

"جناب! شائد وہ راہ پر نہیں آئی تھی۔"

"ہوں۔" فریدی نے دوسرا سگار سلگالیا۔

حمید نے قاسم کو آنکھ ماری اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بڑی تھکن ہے۔" حمید بھی انگڑائی لیتا ہوا اٹھ گیا۔

پھر وہ دونوں اپنے کمروں کی طرف جا رہے تھے۔ راہداری میں انہیں تین آدمی ملے جو انہیں کی طرح پوستینیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے کاندھوں پر رائفلیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ تینوں انہیں دیکھ کر حقارت آمیز انداز میں مسکرائے۔

"کیا آپ لوگ بھی شکاری ہیں۔" ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کیا۔

یہ بھاری چہرے اور موٹی گردن والا ایک قد آور آدمی تھا۔ لمبائی میں قاسم سے تھوڑا ہی کم رہا ہوگا۔ لیکن ٹھوڑی اور جبڑوں کی بناوٹ کہہ رہی تھی کہ وہ قاسم کی طرح بیوقوف نہیں ہے۔ آنکھوں سے سخت گیری، کمینگی اور کمینہ توزی مترشح تھی۔

"شکاری ہیں! لیکن پیشہ ور نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔ پیشہ وروں کے ساتھ عورتیں نہیں ہوا کرتیں۔" بھاری چہرے والا ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔

"جی....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ تینوں بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے ڈائیننگ ہال کی طرف چلے گئے۔

"ماروں سالوں کو۔" قاسم پوستین کی آستین چڑھانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ چپ چاپ اُس کے پیچھے چلنے لگا۔

حمید جانتا تھا کہ قاسم لڑنے بھڑنے میں سب سے آگے ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے ڈیل ڈول کی مناسبت سے اتنا ہی طاقت ور بھی تھا اور یہ بات محض سنی سنائی نہیں تھی۔ خود حمید کو بھی ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ قاسم نے اس کی موجودگی میں ایک آدمی کو اُس کی موٹر سائیکل سمیت سڑک کے داہنے کنارے سے اٹھا کر بائیں کنارے پر رکھ دیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک بار حمید اور قاسم کسی سڑک سے پیدل گذر رہے تھے۔ اچانک سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے ایک موٹر سائیکل سوار نے سہواً قاسم کی پینٹ پر تھوک دیا۔ قاسم کو بڑا تاؤ آیا۔ بات زیادہ بڑھی تو موٹر

سائیکل والا شائد قاسم کو گالی دے بیٹھا۔ قاسم جواب میں گالی تو نہ دے سکا لیکن احتجاجاً اُس نے اُسے موٹر سائیکل سمیت اٹھا کر دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔

پتہ نہیں کیوں وہ حمید کا اتنا گرویدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اُسے غصہ بڑی جلدی آ جاتا تھا لیکن وہ حمید کی تلخ سے تلخ بات کا بھی بُرا نہیں مانتا تھا۔ ویسے وہ اگر حمید پر اپنی ایک ٹانگ بھی رکھ دیتا تو اُس کی ہڈیاں پسلیاں برابر ہو جاتیں۔

وہ دونوں اُسی کمرے میں آئے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔ اب وہاں کرنل شمشاد اور زاہد کریم کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

"کہیئے حمید صاحب کیا بات تھی۔" کرنل شمشاد نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! وہی پیروں کے عجیب و غریب نشانات کا چرچہ چل رہا ہے۔"

"میں آپ کی بیہوشی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"اوہ.... وہ۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"پتہ نہیں کیوں چکر سا آ گیا تھا۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔ غزالہ صوفیہ اور شہناز مسکرا رہی تھیں۔

"عالم گرسنگی میں عموماً یہی ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"جی ہاں! جی ہاں۔" قاسم احمقانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

"حیوانات، نباتات، حتیٰ کہ جمادات پر بھی گرسنگی کا ردعمل ہوتا ہے۔" فرزانہ پھر بولی۔

"میرے خیال سے یہ ایک عقدۃ لائی خل ہے۔" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہائیں۔" حمید اُسے گھور کر بولا۔ "یہ عقدۃ لائی خل کیا بلا ہے۔"

"میں بھی شائد یہ لفظ پہلی بار سن رہی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہو! آپ لوگ لائی خل نہیں جانتے.... چچ.... چچ.... مجھے افسوس ہے۔" قاسم نے اپنے بڑے بڑے دانتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شاید آپ نے لاینحل کی مٹی پلید کی ہے۔" نواب صاحب ہنس کر بولی۔

"نہیں صاحب لائی خل! میں جاہل نہیں ہوں۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

"لاینحل۔" حمید نے بھنا کر کہا۔ "لا.... ین.... حل۔"

"تو پھر ہو گا۔" قاسم نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

"میں نے سنا ہے کہ ویسے ہی نشانات مختلف جگہوں پر کئی دنوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔" کرنل شمشاد نے کہا۔

"حیرت انگیز بات ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"یقیناً اُس پُر اسرار ہستی کا قد کم از کم پندرہ فٹ ضرور ہوگا۔" حمید بولا۔

"اور سنئے۔" حمید نے نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ "میں خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ نشانات میرے ہی پیروں کے ہیں۔"

"بھئی میری تجویز تو یہی ہے کہ لڑکیاں یہاں نہ ٹھہریں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"واہ چچا جان۔" فرزانہ بولی۔ "آخر ہم میں بھی تو خود اعتمادی ہونی چاہئے۔"

"بھئی تم کرنل کی بیٹی ہو۔" نواب صاحب ہنس کر رہ گئے۔

"یہاں ٹھہرنے میں کیا حرج ہے ابا جانی۔" غزالہ بولی۔ "ہم کہیں رہیں اور آپ کہیں۔"

حمید کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کا منیجر خود ہی اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"مجھے سخت افسوس ہے۔" اُس نے ناشتے کا ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا ہے، حاضر کر رہا ہوں۔"

"اوہو! آپ نے ناحق تکلف کی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "ہم نے تو کہا تھا کہ یہ سب کچھ خود ہی کر لیں گے۔"

"ایک صاحب ڈائننگ ہال میں ہیں انہیں بھیج دیجئے گا۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"بس اتنا ہی سا ناشتہ۔" قاسم نے بڑی اداسی سے کہا۔

"تمہارے لئے اونٹ مسلم آئے گا۔" حمید بولا۔

"قاسم صاحب آپ ہلکی غذائیں استعمال کیا کیجئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"جیسے ریشم، روئی اور ٹریسنگ پیپر وغیرہ۔" حمید بولا۔

"حمید بھائی مجھے بھوک پر غصہ آجاتا ہے۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

شائد فرزانہ کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی آگیا۔ انہوں نے اپنی کرسیاں میز کے قریب کھسکالیں۔ غزالہ چائے بنانے لگی۔

ناشتے کے دوران میں پھر اُس کیس کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"ان لوگوں نے کمرے کی چھت کی طرف دھیان نہیں دیا۔" فریدی بولا۔

"کیوں چھت سے کیا مطلب۔" حمید نے کہا۔

"اگر چھت سے کوئی مطلب نہیں تو پھر ہمیں یہ بات باور ہی کرلینی پڑے گی کہ وہ کسی مافوق الفطرت ہستی کے پیروں کے نشانات ہیں۔"

"آخر باور کر لینے میں کیا حرج ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"اوہ! تو آپ بھی اس پر یقین رکھتی ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ کو اپنی حویلی[1] کے پُراسرار واقعات یاد نہیں۔"

غزالہ کچھ نہ بولی۔

"ویسے میں نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ انہیں اس کی طرف توجہ دلاتا۔" فریدی نے کہا۔

ناشتہ ختم کر چکنے کے بعد فریدی رائفلوں کا جائزہ لینے لگا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ اگر وہ رائفلوں میں دلچسپی لینے کے بعد ہوٹل کی چھت پر چڑھ دوڑنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو حمید کی تفریح کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگتی۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ فضا دھندلا گئی تھی اور برف گرنے کے آثار نظر آرہے تھے۔

ایک فائر

انہوں نے دن بھر آرام کیا۔ شکار کا پروگرام دوسرے دن سے تھا۔

فریدی بہت شدت سے بور نظر آرہا تھا۔ عورتوں کی موجودگی اُسے بُری طرح کھل رہی تھی۔ صبح سے کئی آدمی عورتوں کی موسم سرما کے شکار میں شرکت پر تضحیک آمیز باتیں کہہ چکے تھے۔ قاسم، حمید اور فریدی ایک ہی کمرے میں تھے۔ زاہد کریم اور اس کی بیوی صوفیہ کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ شہناز اور غزالہ نواب صاحب کے ساتھ تھیں۔ کرنل شمشاد اور

---

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "پُراسرار کنواں" ملاحظہ فرمایئے۔

اس کی لڑکی فرزانہ چوتھے کمرے میں بند تھے۔

شام کو فریدی اٹھ کر نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی قاسم نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

''ہائیں!ہائیں۔'' حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

قاسم پلنگ پر اوندھا پڑا پھول پچک رہا تھا۔

''ارے کیا ہوا تمہیں.... ڈانگر کہیں کے۔''

''حمید.... بھائی.... بس رو لینے دیجئے۔''

''شرم نہیں آتی تمہیں.... اتنا بڑا ڈیل ڈول....!''

''ڈیل ڈول کی ایسی تیسی۔'' قاسم جھنجھلا کر بیٹھ گیا۔ ''لعنت ہے اس ڈیل ڈول پر۔''

''آخر غصے کی وجہ پیارے۔'' حمید نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہوئے کہا۔

''غصے کی وجہ۔'' قاسم رومال سے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔ ''میری شادی کو چھ ماہ گزرے لیکن میں اب بھی کنوارا ہوں۔''

''کیا مطلب۔'' حمید آنکھیں کھول کر بولا۔

''سالی مجھے دیکھ کر غل غپاڑہ مچاتی ہے۔ چیخ کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔''

''واقعی۔''

''حمید بھائی میں جھوٹ نہیں بولتا۔'' قاسم کی آواز پھر گلوگیر ہو گئی۔ ''میں اسی غم میں گھل رہا ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے پیارے قاسم۔''

''میری شادی میرے باپ نے زبردستی کر دی۔ وہ سرمایہ دار ضرور ہیں۔ مگر بنیا ٹائپ کے علم کے روشنی سے محروم!وہ صرف دولت سمیٹنا جانتے ہیں آدمی کی ان کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔''

حمید خاموشی سے سنتا رہا پھر انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

''حمیدہ بانو سے کشتی لڑو گے۔''

"میں نے سوچا تھا۔" قاسم نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن والد صاحب...."

"تم نے سوچا تھا۔" حمید تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

"ہاں۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "وہ یہی تو کہتی ہے نا کہ جو مجھے زیر کرلے گا اُسی سے شادی کرلوں گی۔"

حمید سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کرنل صاحب کی لڑکی سے عشق کرو گے۔"

"کیا....؟" قاسم نے آگے جھک کر سرگوشی کی۔

"فرزانہ سے عشق۔"

قاسم تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

"کرنل صاحب تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "کئی بار کہہ چکے ہیں کہ یہ جوان تو جنرل بننے کے لائق ہے۔"

"اچھا....!" قاسم احمقانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"ہاں اور لڑکی بھی کافی تندرست ہے۔"

"ہے تو!.... مگر.... عشق....!"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"عشق کیسے کروں گا مجھے آتا ہی نہیں۔ میں نے کبھی نہیں کیا۔"

"بگھی میں جوتے گئے ہو کبھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

قاسم ہنس پڑا۔

دروازے پر قدموں کی آواز سنائی دی اور قاسم بوکھلا گیا کیونکہ آنے والی فرزانہ ہی تھی۔ اس کے ساتھ شہناز بھی تھی۔

"کیوں حمید صاحب! کیا آپ بھی مریضانہ ذہنیت کے حامل ہو گئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"نہیں تو.... ذرا قاسم کو ایک صحت مند مشورہ دے رہا تھا۔"

قاسم نے بوکھلا کر کچھ کہنا چاہا اور اس کے منہ سے بیک وقت کئی طرح کی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ فرزانہ اور شہناز ہنسنے لگیں۔

"میں بھی تو سنوں کہ کیا مشورہ تھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"یہی کہ یہ حضرت کرنل سے قریب ہو جائیں تو بہتر ہے۔"

اس جملے پر قاسم کا حلیہ بُری طرح بگڑ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اوہ مطلب صاف ہے۔"

"کچھ نہیں.... ہاہا....!" قاسم اپنی دانست میں بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر شور مچانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔

"میں انہیں یہ مشورہ دے رہا تھا کہ یہ فوج میں ملازمت کرلیں۔" حمید نے کہا۔

"خیر وہ سب ٹھیک ہے لیکن اس وقت کمرے میں پڑے رہنا کہاں کی دانشمندی ہے، ذرا باہر نکل کر دیکھئے۔ مغربی گوشے سے بادل سرک گئے ہیں اور شفق کا رنگ برف پوش پہاڑیوں میں بکھر گیا ہے۔"

حمید نے مسکرا کر شہناز کو آنکھ ماردی اور وہ بُرا سا منہ بنا کر کھا جانے والے انداز میں اُسے گھورنے لگی۔

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"چھت پر۔"

"چھت پر....!" حمید اچھل پڑا۔

"اور آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔" شہناز لچک کر بولی۔

"شفق کی بہار دیکھ رہے ہیں یا....!"

"جی نہیں کچھ نشانات۔" شہناز نے اس کی بات کاٹ دی۔

"باقی رہے گا کب تک نام و نشان ہمارا۔" حمید دردناک انداز میں گنگنانے لگا۔

شہناز اور فرزانہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

"بدءِ آفرینش ہی سے آدمی تن آسانی کا جویا رہا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "میں نے آپ تک اُن کا پیغام پہنچا دیا اب آپ جانیں۔"

وہ دونوں چلی گئیں۔

"دیکھا تم نے۔" حمید نے اٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے قاسم سے کہا۔ "وہ خود ہی تم سے عشق کرنا

چاہتی ہے۔"

"خود ہی.... مجھ سے ہی ہی ہی۔" قاسم ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

"ابے تم دیکھتے نہیں کہ تمہارے ہی ڈیل ڈول کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔ بدِ آفرینش.... ہونہہ۔"

"تو حمید بھائی سچ مچ.... پھر میں.... مگر کیسے؟"

"میں بتاؤں گا۔"

"تو پھر بتایئے نا۔"

"ذرا ایک ٹھنڈی سانس تو بھرو۔" حمید نے کہا۔

قاسم ٹھنڈی سانس لینے کے لئے اپنے پھیپھڑوں میں ہوا کھینچنے لگا۔ لیکن درمیان ہی میں اُسے ہنسی آ گئی۔

"تم نہیں کر سکو گے عشق۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

فریدی گم شدہ ہیڈ ویٹرس کے کمرے کی چھت پر کھڑا نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا وہ تنہا تھا اور لکڑی کی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر تک پہنچا تھا۔ آخری منزل یا دوسری منزل کی سپاٹ چھتوں پر جانے کے لئے باقاعدہ زینے نہیں تھے۔ فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اُسے حمید کے آنے تک کی خبر نہ ہوئی۔ حمید بھی تنہا ہی تھا اس نے تو کوشش کی تھی کہ قاسم کو بھی اوپر چڑھا لے جائے لیکن قاسم نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ لکڑی کی معمولی سی سیڑھی اس کا بوجھ نہ سنبھال سکے گی۔

"ہے ہے۔" حمید سسکی لے کر بولا۔ "آج شفق کتنی حسین لگ رہی ہے۔"

"اُوں۔" فریدی چونک کر مڑا۔ چند لمحے تفکر آمیز انداز میں حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ "میں نے تمہیں شاعری کرنے کے لئے نہیں بلایا۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے اپنا مرثیہ لکھوائیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"ان لڑکیوں کو کسی طرح سمجھاؤ کہ یہاں ان کا ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"اوہ تو کیا یہ بات ایسی ہی تھی کہ تیسری منزل پر کہی جائے۔"

"اونہہ! ارے بابا میں اُس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔ میں نے تمہیں شکار کے لئے

جگہ تجویز کرنے کے لئے بلایا ہے۔"

"رہائشی کمروں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"بکنے لگے۔"

"سنئے جناب! میں پتھر کا نہیں ہوں مجھے سردی لگ رہی ہے اور میں زیادہ دیر تک کسی کھلی جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔"

"تم آئے ہی کیوں تھے۔" فریدی نے جیب سے دوربین نکال کر لگاتے ہوئے کہا۔

"آدمی کا احمق پن دیکھئے۔" حمید بولا۔ "ظاہر ہے کہ لومڑیاں کھائی نہیں جاتیں اور محض ان کی کھالیں حاصل کرنے کے لئے اتنے دھکے کھانا عقل مندی نہیں۔ کیا بتاؤں یہ بات مجھے پہلے نہ سوجھی ورنہ میں وہیں آپ کو لومڑیوں کی کھالیں خرید دیتا۔ ایک دو نہیں بلکہ درجنوں۔"

"بکو مت۔"

"بہت بہتر۔" حمید واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔ "نیچے ہی ملاقات ہوگی۔ یہ جگہ چونکہ خط استوا سے بہت دور ہے لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا جغرافیہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔"

حمید نے چند ہی زینے طے کئے تھے کہ دفعتاً اس نے فائر کی آواز سنی اور ساتھ ہی کوئی چھت پر دھم سے گر پڑا۔

"کیا ہوا؟" حمید چیخ کر مڑا اور پھر تیزی سے اوپر جانے لگا۔ اس کا سر چھت کی سطح سے تقریباً ایک ہی بالشت ابھرا تھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"نیچے جاؤ۔"

فریدی چھت پر اوندھا پڑا سیڑھیوں کی طرف رینگ رہا تھا۔

حمید دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے تین چار سیڑھیاں نیچے اُتر گیا۔

"اتر جاؤ۔" فریدی کی آواز پھر سنائی دی۔ حمید نے وہیں سے چھلانگ لگادی اور نیچے پہنچ کر فریدی کو سیڑھی سے اترتے دیکھتا رہا۔

"کیا ہوا.... کیا بات ہے۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں! صرف ٹوپی بدلنی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا اور اپنے سر سے بالدار ٹوپی اتار کر حمید کے چہرے کے قریب کر دی۔

ٹوپی کے اوپری حصے میں ایک بڑا سا سوراخ تھا اور اس کی نوعیت کہہ رہی تھی کہ وہ کسی رائفل کی گولی کا نتیجہ ہے۔

"یہ کیا ہوا۔"

"سوارخ....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ سوراخ کسے کہتے ہیں۔"

"لیکن یہ ہوا کیسے۔"

"اس طرح ہوا کہ اگر کچھ اور نیچے ہوتا تو میں تمہارے احمقانہ سوالات سے ہمیشہ کیلئے بچ جاتا۔"

"گولی۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "لیکن آئی کدھر سے۔ آیئے باہر دیکھیں۔"

"سنو بیٹے۔" فریدی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "دوسرے سوراخ والے جسم کو لاش کہیں گے۔ ویسے تم اس کا تذکرہ ساتھیوں سے مت کرنا۔"

"لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"صرف اتنا ہی کہ چل کر ہوٹل کے منیجر کو اپنی لطیفہ گوئی سے محظوظ کرو۔ لیکن ٹھہرو! جاؤ پہلے میرے صندوق سے دوسری ٹوپی نکال لاؤ۔ اُسے رکھتے آنا۔"

حمید قریب قریب دوڑتا ہوا اپنے کمرے تک آیا۔ فریدی کے صندوق سے ٹوپی نکالی اور قاسم کی گھوں گھوں پر دھیان دیئے بغیر باہر نکل گیا۔

دونوں ڈائننگ ہال میں پہنچے۔

منیجر کاؤنٹر پر کہنیاں ٹیکے خلاء میں گھور رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ پر چونک کر مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بڑھاپے میں بھی بڑی دلآویز تھی۔

"مجھے بڑا افسوس ہے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"قطعی نہیں.... ویسے میں نے سنا ہے کہ آپ کو دو ایک آدمی مل گئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں! ایک باورچی اور دو خادم۔"

"چلئے یہ بھی غنیمت ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک اچٹتی سی نظر ڈائننگ ہال پر ڈالی۔ دو آدمیوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے انہیں پہلی نظر میں پہچان لیا۔ یہ انہیں تینوں شکاریوں میں سے تھے۔ جن سے وہ صبح ہی الجھتے الجھتے رہ گیا تھا۔ اس وقت بھاری چہرے والا ان میں نہیں تھا۔

فریدی اور حمید کاؤنٹر کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔

"کیوں جناب۔" فریدی نے منیجر کو آہستہ سے مخاطب کیا۔ "کبھی آپ کے ہوٹل میں کوئی قتل بھی ہوا ہے۔"

"قتل.....!" منیجر یک بیک چونک پڑا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اب میں آپ کو قتل کا مطلب کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہیں صاحب! یہاں کبھی قتل وتل نہیں ہوا۔"

"میں نے یونہی پوچھا تھا۔" فریدی نے جیب سے سگار کیس نکالتے ہوئے کہا۔ "لیجئے۔"

"جی شکریہ! مجھے تمباکو سے رغبت نہیں۔"

فریدی نے ایک سگار سلگا لیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟" منیجر آہستہ سے بڑبڑایا۔ جیسے اُس نے خود سے کہا ہو۔

"اوہو! آپ الجھن میں نہ مبتلا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ پھر ہال میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "شکاری۔"

"جی ہاں! اور آپ ہی لوگوں کی طرح میرے لئے اجنبی ہیں۔"

"یعنی۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ اس سیزن کے علاوہ اور کبھی یہاں نہیں ٹھہرے۔"

"کب سے مقیم ہیں۔"

"تقریباً ایک ماہ سے۔"

"تب تو انہوں نے کافی شکار کر لیا ہو گا۔"

"مجھے اس کے متعلق علم نہیں لیکن میں آپ لوگوں کو ایک مشورہ ضرور دوں گا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ آپ کے ساتھ لیڈیز بھی ہیں۔ یہاں کسی شکاری سے دشمنی مت مول لیجئے گا۔ خصوصاً پیشہ ور شکاریوں سے۔ کیونکہ سیزن ختم ہونے پر جب برف پگھلتی ہے تو دو چار لاشیں ضرور نکلتی ہیں۔ آج تک کوئی سیزن خالی نہیں گیا۔

"اوہ.....!" فریدی نہ صرف سنجیدہ ہو گیا بلکہ اس کی آنکھوں سے حیرت بھی جھانکنے لگی تھی

جس کے متعلق حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ سو فیصدی مصنوعی تھی۔

"جی ہاں! پچھلے سال تین لاشیں ملی تھیں اور وہ تینوں شکاری تھے۔ ان میں سے ایک کا قیام یہاں فزارو میں تھا۔"

"پولیس نے کچھ نہیں کیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پولیس.....!" منیجر تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔ "پولیس نے ان لاشوں کو اٹھوا کر ان کا پوسٹ مارٹم کرادیا تھا۔"

"اگر ہم یہیں کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے کافی پئیں تو کیا حرج ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں جناب۔ ابھی لیجئے اسٹرونگ یا لائٹ۔"

"اسٹرونگ وِد کریم۔"

منیجر چلا گیا۔ وہ دونوں وہیں کاؤنٹر پر کھڑے رہے۔

"یہ شکاری۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ان کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔"

"میں جانتا ہوں.... میں نے صبح دیکھا تھا۔"

"اور وہ تیسرا صورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"صورتیں اکثر دھوکا بھی دیتی ہیں۔"

منیجر واپس آ گیا۔ شائد وہ کچن میں کافی کے لئے کہنے گیا تھا۔

"آخر یہ شکاری آپس میں لڑ کیوں جاتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔" منیجر بولا۔ "شکار کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ سرکاری اجازت ناموں کے ساتھ مختلف پارٹیوں کے لئے جگہ کا تعین بھی کر دیا جائے کیونکہ کئی مقامی اخبارات نے حکام کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔"

"یہ تو واقعی بُری بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر کافی آ گئی۔

"آپ کی وہ لڑکی۔" فریدی کافی کے کپ میں شکر ڈالتا ہوا بولا۔ "کیا یہاں کسی سے اُس کی دشمنی تھی۔"

"نہیں جناب وہ بڑی نیک لڑکی تھی۔"

"اوہ! لیکن نیک آدمیوں کے بھی تو دشمن ہوتے ہیں۔ ان کی نیکی ہی دوسروں کی دشمنی کی وجہ بن جاتی ہے۔"

"ہوتے ہوں گے مگر.... اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا کیونکہ وہ کسی سے زیادہ ملتی ہی نہیں تھی۔"

"اغواء کی وارداتیں یہاں عام ہوں گی۔"

"نہیں جناب میرے ہوٹل میں یہ پہلا واقعہ ہے۔"

"آپ غلط سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں سے مراد ٹیکم گڈھ تھی۔"

"ٹیکم گڈھ کیلئے اغواء کی وارداتیں نئی نہیں اور ایسی وارداتیں عموماً سردیوں میں ہی ہوتی ہیں۔"

"سردیوں میں۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن وہ پُراسرار نشانات! ٹیکم گڈھ کے لئے نئے ہیں۔" منیجر نے کہا۔

"نئے ہیں.... مگر میں نے سنا ہے کہ وہ اس سے قبل بھی مختلف مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔"

"جی ہاں! یہ اسی سیزن کی بات ہے شاید پندرہ بیس دنوں سے اُنکے متعلق سنائی دینے لگا ہے۔"

ہال کے چوبی فرش سے جوتے کی آوازیں پھیل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید نے مڑکر دیکھا۔ بھاری چہرے والا شکاری ہال میں داخل ہو چکا تھا۔

حماقتیں

"گڈ ایوننگ منیجر۔" اس نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"ایوننگ جنٹلمین۔"

"میں بھی گرم کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"ضرور ضرور!" منیجر نے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔ "اسٹرونگ۔"

"اسٹرونگسٹ پوسیبل۔"

وہ بائیں کہنی کاؤنٹر پر ٹیک کر داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی رائفل کا کندہ کھٹکھٹانے لگا، جو اس کے کاندھے سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس وقت حمید کو اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم

ہو رہا تھا۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر کافی پینے لگا۔

"آپ لوگوں کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔" منیجر نے اس سے کہا۔

"ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔" شکاری مسکرا کر بولا۔

"شکار کیسا ہو رہا ہے۔"

"انتہائی خراب نہ ہونے کے برابر۔ اس بار گرومی کی پارٹی بڑی زبردستیوں پر اُتر آئی ہے۔ کیا کروں میرے پاس زیادہ آدمی نہیں ہیں ورنہ ایک ایک کو سیدھا کر دیتا۔ ایسے میں تو دبنا ہی پڑتا ہے۔"

"آپ لوگ کدھر جا رہے ہیں۔"

سیتل گھاٹی کی طرف! شکار سچ مچ ادھر ہی ہے۔ مگر گرومی کے کتے بھی اُدھر ہی جا رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں اس بار گرومی صاحب فزارو میں کیوں نہیں ٹھہرے۔"

"اُسے شاید معلوم تھا کہ میں اس بار فزارو میں قیام کروں گا۔"

"تو آپ پہلے بھی یہاں آتے رہے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"برابر.... میں تقریباً دس سال سے یہاں آ رہا ہوں۔" شکاری نے ویٹر کے ہاتھ سے کافی کی ٹرے لیتے ہوئے کہا۔ اسکے دونوں ساتھی ڈائینگ ہال کے ایک گوشے میں شطرنج کھیل رہے تھے۔

"گرومی صاحب اس بار کہاں ٹھہرے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"شہر میں.... لیکن ہوٹل میں نہیں۔ انہوں نے کوئی بلڈنگ کرائے پر لی ہے؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بھاری چہرے والا فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "خصوصاً آپ لوگوں کو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ آپ بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں۔"

"مقصد تفریح ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر شکار نہ بھی ملے گا تو ہمیں افسوس نہ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" شکاری ہنس پڑا۔ "ویسے یہ بطخوں اور ہرنوں کا شکار نہیں ہے۔"

"میں تو ہاتھیوں اور شیروں کے شکار کو بھی اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت خوب۔ جناب کا اسم شریف۔"

"ایکس، وائی، زید کچھ بھی سمجھ لیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "نام شکار نہیں کھیلا کرتے۔"

"یہاں تو گرومی کا نام ہی شکار کھیلا کرتا ہے۔" شکاری نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ تو وہ اتنا خوفناک ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اگر آپ کی پارٹی نے بھی سیتل گھاٹی کا رخ کیا تو اُس سے کسی رسمی تعارف کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔"

"سیتل گھاٹی۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہم وہیں شکار کھیلیں گے۔"

شکاری نے کچھ اس قسم کا قہقہہ لگایا جیسے اُس نے کسی بچے کی زبان سے کوئی حماقت انگیز بات سنی ہو۔

پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ "دوستو! آخر کار ہمیں ایک آدمی تو ایسا ملا جو سیتل گھاٹی میں علانیہ شکار کھیلے گا۔"

وہ دونوں پہلے وہیں بیٹھے اُسے دیکھتے رہے پھر شطرنج کی بازی چھوڑ کر اٹھ آئے۔

"یہ جیالے۔" اس نے فریدی اور حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "سیتل گھاٹی...."

"میرا خیال ہے۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "آپ تہذیب کی حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"اوہ! مجھے افسوس ہے۔" شکاری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ کی تعریف۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

"تعریف میں بھی نہیں جانتا۔" بھاری چہرے والے نے کہا۔ "لیکن صورت سے مستقل مزاج آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ٹھوڑی اور ناک کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ سفاکی اور نرم دلی دونوں موجود ہیں۔"

"قیافے کی داد دینی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ میں مرد کتنے ہیں۔" بھاری چہرے والے نے پوچھا۔

"چھ.... اور....!"

"کیا آپ ہم سے تھوڑی دیر تک گفتگو کرنا پسند کریں گے۔" شکاری نے فریدی کی بات کاٹ کر پوچھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "ضرور! بڑی خوشی سے۔"

"تو آیئے؟" شکاری ڈائننگ ہال کی میزوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے۔ کچھ

ہی دیر قبل اُس پر حملہ ہو چکا تھا اگر گولی ایک انچ نیچے لگی ہوتی تو اس وقت اس کی تجہیز و تکفین کا مسئلہ درپیش ہوتا۔ اس کے باوجود بھی وہ اتنا پُرسکون نظر آرہا تھا جیسے وہ سب محض مذاق ہو۔ شکاریوں کی آپس کی خلش کے متعلق وہ منیجر سے سن چکا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اسی بھاری چہرے والے کی حرکت نہ رہی ہو۔

وہ پانچوں ایک گوشے میں آبیٹھے۔

"ہاں تو میرے دوست.....!" بھاری چہرے والے نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "گرومی بڑا خطرناک آدمی ہے۔ وہ اپنے کسی بھی حریف کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ دس سال کے عرصے مین میں نے اپنے تیرہ ساتھی ضائع کئے ہیں۔"

"کیا وہ گرومی ہی کا شکار ہوئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی! اس کی پارٹی ہمیشہ طاقت ور رہتی ہے اور وہ ہمیشہ مکاری سے مارتا ہے۔"

"پولیس کچھ نہیں کرتی۔"

"پولیس آج تک اس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچا سکی۔"

"کوئی اور بھی پارٹی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہتیری تھیں لیکن اب میری پارٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گئی۔ اب کوئی ٹیکم گڈھ کی طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ اس بار بھی میرے ساتھ چودہ آدمی آئے تھے لیکن اب یہی دو مرد رہ گئے ان کے علاوہ اور سب نے پیٹھ دکھائی۔"

فریدی نے سگار کیس نکال کر میز پر رکھ دی۔ بھاری چہرے والے نے ایک سگار نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں دس سال سے اس کے مقابلے پر جارہا ہوں۔ اب یا تو میں اُس کے ہاتھ سے مارا جاؤں گا یا وہ خود میرے ہاتھوں جہنم رسید ہوگا۔"

"تو پھر وہ بھی آپ کی تاک میں رہتا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی! وہ کئی بار مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔"

"یعنی اگر اس کا بس چلے تو وہ آپ کو گولی مار دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔"

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا.... کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے بھاری چہرے والے سے پوچھا۔

''ہوٹل کی واردات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔''

''واردات....! میں اسے حیرت انگیز کہتا۔ لیکن ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات مجھے شبے میں ڈال رہے ہیں۔''

''کیوں؟ شبہہ کس بات کا؟'' فریدی نے پوچھا۔

''وہ نشانات یہاں قریباً ایک ماہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ سیتل گھاٹی میں دیکھے گئے تھے اور اب بھی زیادہ تر وہیں دکھائی دیتے ہیں۔''

''لیکن یہ شبہہ کیوں!'' فریدی نے کہا۔

''میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گرومی کی کوئی شرارت ہو۔''

''ہو سکتا ہے لیکن اس کا مقصد بھی ہو گا۔ آخر مقصد کیا ہو سکتا ہے۔''

''دوسری پارٹی کو خوف زدہ کرتا۔'' بھاری چہرے والے نے کہا۔ ''ظاہر ہے کہ کمزور دل کے آدمی ایسی صورت میں سیتل گھاٹی کا رخ نہ کریں گے۔''

فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

''گرومی آپ لوگوں کا بھی دشمن ہو جائے گا۔'' بھاری چہرے والا پھر بولا۔

''مگر ہماری دشمنی شائد اُسے بہت مہنگی پڑے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''آپ ناواقفیت کی بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں۔ گرومی سچ مچ شیطان کا نطفہ ہے۔''

''ہم لوگوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ شروع ہی سے خاموش تھا لیکن اب اس کی زبان میں کھجلی ہونے لگی تھی۔''

''اُس سے بھڑنا آسان نہیں۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''شکار تو ہم بہر حال کھیلیں گے۔''

''کب سے ارادہ ہے۔''

''کل سے۔''

''اور سیتل گھاٹی میں ہی۔''

''جی ہاں وہیں۔''

''خیر میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔'' شکاری بولا۔

"ہم اس پر غور کریں گے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے اگر کبھی ہمارے تعاون کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف کہہ دیجئے گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

"ان نشانات کے متعلق آپ نے کوئی واضح خیال نہیں ظاہر کیا۔" حمید نے کہا۔

"میں نے اپنا شبہہ ظاہر کر دیا۔ وہ بھی اس بناء پر کہ وہ زیادہ تر سیتل گھاٹی میں دیکھے گئے ہیں اور اگر اس لڑکی کے اغواء میں گرومی ہی کا ہاتھ ہے تو اس سے بڑا چھچھورا شائد ہی روئے زمین پر دوسرا ہو۔"

"گرومی ہے کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"ایک پیشہ ور شکاری۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔"

سلسلہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ نواب صاحب نے فریدی کو بلوا بھیجا تھا۔ دوسری منزل پر جاتے وقت فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیا خیال ہے۔"

"شائد وہ ہم سے تعاون کرنا چاہتا ہے۔"

"اگر واقعی گرومی اُسی کے بیان کے مطابق نکلا تو۔" فریدی نے کہا۔

"ہڈیاں توڑ دیں گے اُس کی۔ میرا پٹھا اس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔"

"کون! قاسم.... بھئی بڑا بے وقوف آدمی ہے۔"

"بہترین تفریح ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "میں اُسے عشق پر آمادہ کر رہا ہوں۔"

"یعنی....!"

"وہ فرزانہ سے عشق کرے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ.... یار اس لڑکی کے گفتگو کے انداز سے میں بُری طرح اکتا گیا ہوں۔"

فریدی نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے اپنے کمرے کی راہ لی۔ یہاں قاسم کی "گھوں گھوں" کے ساتھ چند سریلے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔ اندر پہنچ کر اس نے عجیب ہنگامہ دیکھا۔ غزالہ، شہناز، فرزانہ اور صوفیہ چاروں موجود تھیں۔ کمرے کی ایک چھوٹی میز ٹوٹی پڑی تھی۔ حمید نے اپنی رائفل فرش پر پڑی دیکھی جس کی نال بیچ سے ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ آتش دان کو

اشتعال دینے والی لوہے کی موٹی سلاخ اس طرح مڑی ہوئی تھی کہ اس کے دونوں سرے ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔

اور پھر اس نے قاسم کو دیکھا، جو سامنے کھڑا ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑے چبا چبا کر تھوک رہا تھا۔

''ابے یہ کیا کیا؟'' حمید اپنی رائفل اٹھاتا ہوا چیخا۔

''سیدھی کر دوں گا حمید بھائی۔'' قاسم نے شیشے کا ٹکڑا چباتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔

''اب میں یہ دونوں کرسیاں۔'' قاسم نے لڑکیوں کو مخاطب کیا۔ ''اپنی بغلوں میں دبا کر توڑ دوں گا۔''

''دماغ خراب ہوا ہے۔'' حمید پھر چیخا۔

''حمید بھائی صرف یہی دونوں کرسیاں۔'' قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور وہ چاروں ہنس پڑیں۔

''شامت آئی ہے۔ کیا یہ میرے تمہارے باپ کی کرسیاں ہیں۔''

''اور قاسم بھائی وہ سوٹ کیسوں والا کھیل۔'' شہناز اٹھلا کر بولی۔

''ابے مار ہی ڈالوں گا۔'' حمید مکا تان کر بولا۔

قاسم کھسیانی ہنسی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گیا۔

''حمید صاحب۔'' فرزانہ بولی۔ ''آپ نے ہمیں اتنے شان دار کمالات سے محروم کر دیا۔''

''آپ بھی کچھ فرمائیے۔'' حمید نے جل کر شہناز کو مخاطب کیا۔

''وہ سوٹ کیسوں والا کھیل۔'' شہناز نے قاسم سے کہا۔

''سنو....!'' حمید جھلا کر بولا ''ایک کھیل مجھے بھی آتا ہے۔''

''وہ کیا ہے حمید صاحب۔'' غزانہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''کمرے کا سارا سامان ایک جگہ اکٹھا کر دیجئے۔ پھر اُس پر پٹرول چھڑک دیجئے۔''

''میں پٹرول بھی پی سکتا ہوں۔'' قاسم نے شرما کر کہا۔

''میں تمہیں پٹرول پلاؤں گا۔'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''حمید صاحب آج آپ کچھ محرور المزاج سے نظر آ رہے ہیں۔'' فرزانہ بولی۔

"آؤ چلیں۔" غزانہ نے شہناز سے کہا۔

"نہیں بھئی! اب حمید صاحب بھی کمالات دکھائیں گے۔" صوفیہ مسکرا کر بولی۔

"ضرور! ضرور۔" حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "قاسم چت لیٹ جاؤ۔"

"کیوں؟ ہاہاہا۔"

"میں بھی کچھ دکھاؤں گا۔" حمید نے اپنے سوٹ کیس میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"چلیئے لیٹ گیا۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ساتھ ہی کڑکڑاہٹ سنائی دی۔ حمید نے ایک بڑا سا شکاری چاقو کھول لیا تھا۔

قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں اس کی گردن کاٹ کر پھر جوڑ دوں گا۔" حمید نے لڑکیوں سے کہا۔

اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ وہ سب ہنس پڑیں لیکن حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔

"ڈرو نہیں قاسم۔" حمید نرم لہجے میں بولا۔ "تمہیں ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔"

"ہم.... مگر۔"

"کچھ نہیں.... گردن الگ کر کے پھر جوڑ دوں گا۔"

"نہیں.... نن.... نہیں۔"

"ڈرو مت۔" حمید چیخ کر بولا۔

لڑکیاں سنجیدہ ہو گئیں۔

"لیٹ جاؤ قاسم۔" حمید پھر گرجا۔

فرزانہ نے پھر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنیکی کوشش کی۔ حمید نے اسکی طرف دیکھا تک نہیں۔

"قاسم....!"

قاسم حیرت سے منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

لڑکیوں نے آپس میں کچھ اشارے کئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

"کیوں بے ڈفر۔" حمید چاقو ایک طرف ڈال کر بولا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"حمید بھائی خفا ہو گئے۔"

"خفا کے بچے! ان پر اپنی طاقت کا رعب ڈال رہے تھے۔"

"آپ ہی نے تو کہا تھا۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"کیا کہا تھا میں نے۔"

قاسم نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے۔ پھر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکائے ہوئے اس نے کہا۔ "آپ نے نہیں کہا تھا کہ فرزانہ سے عشق کر لو۔"

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "تو یہ تم عشق کر رہے تھے۔"

"مطلب یہ کہ....!"

"اب میں سمجھا! حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اسی طرح تم بیوی سے بھی عشق جتاتے ہو گے۔"

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

"اور تم نے ڈیڑھ ہزار کی رائفل برباد کر دی۔"

قاسم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"اب ہنستے ہو بے شرم۔"

"حمید بھائی۔" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ "رائفل کی نال یہ رہی۔"

اس نے صندوق کے پیچھے سے رائفل کی نال نکال کر پلنگ پر ڈال دی۔

"پھر یہ کیا ہے۔"

"کچے لوہے کی نلکی.... دیکھئے کتنی خوبصورتی سے فٹ کی ہے۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔

حمید کو سچ مچ اپنی عقل پر رونا آ گیا۔ کیونکہ رائفل کی نال ٹوٹ سکتی تھی ٹیڑھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے جھینپ مٹانے کے لئے کہا۔

"تمہیں دوسری نالی ملی کہاں سے۔"

"میں اس قسم کی چیزیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ اس وقت کئی کھیل رہ گئے۔ اچھا آپ ہی دیکھئے۔"

"حمید اُسے گھورنے لگا۔ قاسم نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔"

"یوہا.... ہپ.... انگا۔" اس کا منہ کھل گیا۔ دانتوں کے درمیان ایک بڑا سا لوہے کا گولا

پھنسا ہوا تھا۔

"ہپ....!" گولا منہ سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔

"یوما.... ہپ.... انگا.... ہپ....!" دوسرا گولا نکالا۔

اس نے پے در پے سات آٹھ گولے منہ سے نکالے۔

"گلاس کتنے توڑے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"چار گلاس اور ایک میز جو سڑی ہوئی لکڑی کی تھی۔ اُسے توڑنے میں چوتھائی قوت بھی کام نہیں آئی۔ ان سب کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔"

"تم نے خود بخود کرتب دکھانے شروع کر دیئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... فرزانہ نے استدعا کی تھی۔"

"خواہ مخواہ استدعا کی تھی۔ اُسے کیسے معلوم ہوا کہ جگلر بھی ہو۔"

"وہ تو میں نے ہی بتایا تھا۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"ارے آؤ بھینسے....! یہ لونڈیوں کی طرح لچکتا کیوں ہے۔"

"حمید بھائی! ایک گھونسے میں برابر کر دوں گا۔" قاسم کو غصہ آ گیا۔

"ہمیشہ جاہل رہو گے۔" حمید سٹپٹا کر بولا۔ "فردوسی کا شاہنامہ پڑھا ہے۔"

"نہیں پڑھا۔" قاسم نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"تب ہی تمہیں تاؤ آ گیا۔ اے شہ زور وقت! شہنشاہ کیکاؤس رستم کو پیار سے بھینسا کہا کرتا تھا۔"

"مجھے بھینسے پر اعتراض نہیں۔ لونڈیوں کی طرح کیوں کہا۔"

حمید کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی آ گیا۔ اُس نے تحیر آمیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر اُن دونوں کو گھورنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے۔"

قاسم کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم لوگ ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں۔"

"میز کیسے ٹوٹی....! اوہ.... شائد یہ گلاس کے ٹکڑے ہیں.... ارے یہ رائفل کی نال کو کیا ہوا۔"

"قاسم صاحب بڑے امن پسند ہیں۔" حمید نے کہا۔ "انہوں نے تہیہ کیا ہے کہ دنیا بھر کی

رائفلیں توڑ دیں گے اور توپ کے گولے یہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ پچھلے سال اپنے یہاں کے عجائب خانے سے جو توپ غائب ہوئی تھی قاسم کے ہپ میں موجود ہے۔"

"مجھے لغویات پسند نہیں ہیں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا اور قاسم چپکے سے کھسک گیا۔

"کیا بات تھی۔" قاسم کے جاتے ہی فریدی نے پوچھا۔

"غزالہ وغیرہ پر اپنی طاقت کا رعب ڈال رہا تھا۔ وہ مڑی ہوئی سلاخ دیکھئے ایک گھونسہ مار کر میز توڑ دی اور یہ رائفل.... خیر اس میں تو اس نے فراڈ کیا تھا۔ نال دوسری فٹ کر دی تھی، جو کچے لوہے کی تھی اور یہ گولے...اول درجہ کا شعبدہ باز ہے۔ اس کی یہ خصوصیت آج ہی معلوم ہوئی۔"

"ہوں.... تم نے مجھے اس سے پہلے کبھی کیوں نہیں ملایا۔"

"کیوں؟"

"کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"فی الحال میں اس سے ایک بہت بڑا کام لینے والا ہوں۔" حمید نے کہا۔

فریدی کسی سوچ میں تھا۔ پتہ نہیں اُس نے حمید کی بات پر دھیان دیا تھا یا نہیں، بہر حال اُس نے حمید کے اس جملے پر کچھ نہیں پوچھا۔

"سیتل گھاٹی تمہاری دیکھی ہوئی ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں.... بہت عرصے کی بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... آج رات کو ہمیں سیتل گھاٹی چلنا ہے۔"

"کیوں....!"

"مجھے گرومی اور اس کے ساتھیوں سے ملنا ہے اور پھر لومڑیوں کا شکار تو عموماً رات ہی کو ہوتا ہے۔ قاسم سے کہو کہ وہ بھی تیار رہے۔"

"اور لوگ بھی جائیں گے۔"

"نہیں.... صرف ہم تینوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر میری ٹوپی میں آج سوراخ نہ ہوتا تو میں سیتل گھاٹی کا رخ نہ کرتا۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ ہمارا مقصد تو محض تفریح تھا۔" حمید سوچ میں پڑ گیا۔

خوفناک وادی

رات اندھیری نہیں تھی۔ ٹیکم گڈھ کی پہاڑیاں برف کی کی سفید چادر اوڑھے اونگھ رہی تھیں۔ آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاند اگر ایک پل کے لئے بھی بادلوں کے کسی رخنے سے جھانکنے لگتا تو اونگھتی ہوئی پہاڑیاں گویا چونک سی پڑتیں۔ لامتناہی ہی سناٹا بڑا پُر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی حمید اور قاسم سیتل گھاٹی کی طرف جا رہے تھے۔ اُن کی رائفلیں ان کے شانوں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ قاسم نے اپنی پیٹھ پر کچھ سامان بھی لاد رکھا تھا۔ اس میں ایک پوری چھولداری بھی تھی۔ کافی کا ایک بہت بڑا تھرموس تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں جنہیں پیٹھ پر لاد کر قاسم نے رسی سے بندھوالیا تھا اور وہ اب اتنی آسانی سے برف پر چل رہا تھا جیسے وہ سارا بوجھ اُسی کے جسم کا ایک حصہ رہا ہو۔

سیتل گھاٹی کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائروں کی آوازیں سنیں۔ وہ چلتے چلتے رک گئے۔ قاسم نے اپنے کاندھے سے رائفل اتار لی۔

"ابھی نہیں۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

پھر وہ چٹانوں کے ایک سلسلے کی اوٹ میں چلنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں تھیں جن سے وہ زمین پر پڑی ہوئی برف میں سطح کا اندازہ لگاتے چل رہے تھے۔ فریدی کی نظریں خاص طور سے قاسم پر تھیں اور وہ اسے بار بار ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ کئی جگہ گرتے گرتے بچا تھا۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد فائروں کی آوازیں اب بھی سنائی دیئے جاتی تھیں۔ وہ چلتے رہے سردی کے مارے بُرا حال تھا۔ لیکن اُس کے منہ سے شکایت کا ایک جملہ بھی نہیں نکلا تھا۔ کیونکہ شکار کی تجویز پر اس نے بڑے زور و شور سے فریدی کی تائید کی تھی۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کچھ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی اُس کا جوش و خروش اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ لہٰذا اب اسے سردی کی شکایت کرتے ہوئے شرم آرہی تھی۔

وہ پھر رک گیا۔ کیونکہ اس بار فائر اُن کے قریب ہی کہیں ہوا تھا۔ چٹانوں کا سلسلہ عبور

کر کے وہ گھاٹی میں اتر گئے۔

"بڑی حیرت کی بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "شکار کہیں نظر نہیں آتا لیکن فائر برابر ہو رہے ہیں۔"

"شکار کو بلا رہے ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔

"کیا.... کیا بک رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"اوہ کیا۔" دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔

ان دونوں کی نظریں بھی اُدھر ہی اٹھ گئیں جدھر فریدی دیکھ رہا تھا۔ قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر برف کا ایک ننھا ٹیلا متحرک نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" حمید خوفزدہ آواز میں بولا۔

"پتہ نہیں۔"

برف کا تودہ رینگتا ہوا ایک چٹان پر چڑھ رہا تھا۔

"بھبھ.... بھوت....!" قاسم کانپنے لگا۔

"چپ....!" فریدی نے قاسم کا شانہ دبادیا۔

چٹان پر چڑھ کر وہ تودہ دو چٹانوں کی درمیانی دراڑ میں اُتر گیا۔ پھر انہیں ایسا معلوم ہوا کہ جیسے تودہ یک بیک سمٹ کا اونچا ہو گیا ہو۔ ایک پل کے لئے چاند نے بادلوں سے جھانکا اور پوری وادی چمک اٹھی۔ چٹانوں کی دراڑ میں کوئی نہیں تھا۔

"ہائیں! غائب۔" قاسم بڑبڑایا۔

"آؤ۔" فریدی نے کہا اور وہ اسی دراڑ کی طرف بڑھنے لگے۔

"میرے خیال سے وہ کوئی سفید ریچھ تھا۔" حمید نے کہا۔

"ہشت....!" فریدی بولا۔ "سفید ریچھ صرف ٹنڈرا میں پائے جاتے ہیں۔"

وہ پھر خاموشی سے چلتے رہے۔ فائروں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔

وہ اُسی دراڑ کے قریب پہنچے۔ جہاں وہ سفید متحرک شے غائب ہو گئی تھی۔

"ارے....!" حمید یک لخت اچھل پڑا۔

برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی اور دراڑ میں گھستا چلا گیا۔ نشانات کچھ ہی دور بعد ختم ہو گئے

تھے۔ آگے دوسری طرف جانے کا راستہ تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اپنی چھڑی برف میں گاڑ دی، جو دھنستی ہی چلی گئی۔ آخر کار وہ چھڑی نکال کر پیچھے ہٹ آیا۔

"شاید گڑھا زیادہ گہرا ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس کی ٹارچ کی روشنی دور تک پھیل گئی۔ سامنے برف کی سطح بے داغ نظر آرہی تھی۔

"آخر وہ گیا کدھر۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بڑی سردی ہے۔" قاسم بڑبڑایا۔

"چلو باہر نکلیں۔" فریدی نے کہا۔ "صبح دیکھیں گے۔"

وہ دراڑ سے نکل آئے۔ پہلے ہی جیسا پُراسرار سناٹا فضا پر مسلط تھا۔

"شکار کہاں ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔

"واقعی یہ بات حیرت انگیز ہے۔ پھر یہ گولیاں کیسی چل رہی تھیں۔ آوازیں اُدھر سے آئی تھیں۔" فریدی نے دور تک پھیلے ہوئے چٹانوں کے سلسلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"پھر وہی....!" حمید اچھل پڑا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ اُدھر ہی پھر اُسے برف کا ایک متحرک تودہ دکھائی دے رہا تھا۔

"ہے تو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

قاسم ان کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں یہ نہ دیکھ سکے کہ قاسم اپنی رائفل سیدھی کر رہا ہے وہ اس وقت چونکے جب انہوں نے فائر کی آواز سنی۔

قاسم شاید اب دوسرے فائر کے لئے بھی تیار تھا۔ یہ بات انہوں نے محسوس کی تھی کہ وہ تو گولی لگنے کے باوجود بھی رینگ رہا تھا۔ فریدی قاسم کو روک بھی نہ پایا تھا کہ اس نے دوسرا فائر کر دیا۔ گولی لگی لیکن وہ شے برابر رینگتی رہی۔

"کیا کر رہے ہو؟" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"کیا زندہ پکڑیئے گا۔" قاسم نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"ہاں.... آگے بڑھو۔ اُسے تم ہی پکڑ سکو گے۔" فریدی بولا۔

قاسم نے بڑے اطمینان سے رائفل کاندھے پر لٹکائی اور پھر شاید دوڑ لگانے کا ارادہ کر رہا تھا

کہ فریدی نے اُسے پکڑ لیا۔

"برف میں دفن ہو جاؤ گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "ادھر سے آؤ۔"

فریدی آگے تھا قاسم اور حمید اسکے پیچھے چل رہے تھے۔ اس سفید شے کے رینگنے میں تیز رفتاری نہیں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے چند لمحے پیشتر لگی ہوئی گولیوں کا احساس تک نہ ہو۔

فریدی نے اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اس کے باوجود بھی اس کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی اندھی اور بہری شے ہو۔

"قاسم! فائر کرو۔" فریدی نے پلٹ کر کہا۔ مگر اب نہ جانے کیوں قاسم کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

"فف... فر... فردی لگ رائی اے۔" قاسم کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"کیا ہوا؟" فریدی نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ حیرت کی بات بھی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے قاسم نے اُس پر نہ صرف فائر کئے تھے بلکہ دوڑ کر اُسے پکڑ لینے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔

"سردی ہے.... جج.... جناب۔" قاسم نے کانپتے ہوئے کاندھے سے رائفل اتار دی۔ لیکن وہ اس کے ہاتھ ہی میں جھولتی رہ گئی۔

"قاسم....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

فریدی نے اپنی رائفل اتار دی اور فائر کر دیا.... لیکن لاحاصل۔ اس کا نشانہ ٹھیک تھا لیکن اس شے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر فریدی دوسرا فائر کرنے جا رہا تھا کہ اچانک اُس سفید شے کا رخ ان کی طرف پھر گیا اور وہ اوپر جانے کی بجائے نیچے اترنے لگی۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور اس بار انہوں نے اُسے بالکل صاف دیکھ لیا۔ برف کا ایک ڈھیر تھا جس نے آدمی کے جسم کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آدمی گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل رینگ رہا ہو۔

قاسم کے منہ سے نکلنے والی آوازیں تیز ہو گئیں اور اب تو حمید بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

"شٹ اپ۔" فریدی نے چیخ کر کہا لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

فریدی نے پھر فائر کیا اس بار وہ گھٹنوں کے بل چلنے والی شے اچھل کر آدمیوں کی طرح دونوں پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ یہ ایک قد آور برف کا آدمی تھا۔ اس کے علاوہ اور کہا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اگر سفید ریچھ کہا جاتا تو اس کے کھڑے ہونے کا انداز اس خیال کو جھٹلا دیتا۔ سفید بن مانس کا بھی خیال فضول تھا کیونکہ بن مانس بھی آدمیوں کی طرح سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے پھر فائر کیا۔اس بار اس نے سینے کا نشانہ لیا تھا۔لیکن اس کی رفتار میں لڑکھڑاہٹ تک نہ پیدا ہوئی۔وہ نہایت اطمینان سے آہستہ آہستہ چٹان سے اتر رہا تھا۔

''ارے.... بھبھ.... بھاگئے۔'' حمید ہکلایا۔

اب تو فریدی بھی کچھ چکرا سا گیا تھا۔ لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ حمید کے مشورے پر عمل کر بیٹھتا۔وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے بلندی سے اترتے دیکھتا رہا۔

قاسم بوکھلا کر برف پر بیٹھ گیا اور حمید کی حالت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے کاندھوں پر سوار ہو جائے گا۔

فریدی نے اب فائر کرنا بے کار سمجھا۔ ویسے اس کی رائفل کی میگزین میں ابھی سات کارتوس باقی تھے۔

''اگر بھاگے تو موت کو دعوت دو گے۔'' فریدی نے پلٹ کر حمید اور قاسم سے کہا۔

''مم.... موت....!'' قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

''ہاں!ہم نہیں جانتے کہ برف کے نیچے کہاں کیا ہے؟''

''ارے باپ رے باپ۔'' قاسم نے گھگھیا کر کلمہ پڑھا اور حمید کو سچ مچ موت یاد آگئی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پتہ نہیں وہ اپنی خود اعتمادی کو تقویت دے رہا تھا یا اس نے ان دونوں کا دل بڑھانے کے لئے قہقہہ لگایا تھا۔

برف کا بھوت چٹان سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔وہ ان سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

فریدی نے پھر رائفل سیدھی کی.... فائر ہوا.... لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی کہ فریدی کا نشانہ خطا کر رہا ہو گا۔

فریدی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ برف کا بھوت اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔ اچانک کسی عورت کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ آواز عقب سے آئی تھی۔ فریدی بے ساختہ پلٹا۔ حمید اور قاسم بھی اُدھر ہی دیکھنے لگے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی پھر اُس عجیب و غریب شے کی طرف مڑا اور اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی۔ برف کا بھوت غائب ہو چکا تھا۔

''کیا تماشہ ہے۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اُن دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔''قاسم تم بڑے

بزدل نکلے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

"مگر.... وہ.... تو....!" قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

"چلو آگے بڑھو۔"

وہ تینوں لوٹ رہے تھے۔

"مگر وہ آواز کیسی تھی۔ کسی عورت کی چیخ۔" حمید نے کہا۔

"رہی ہوگی۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم تو اس قابل ہو کہ تمہیں گولی مار دی جائے۔"

"جی ہاں! اور اگر میں بھوتوں سے کشتی لڑنے لگوں تو زندہ رہنے دیا جاؤں گا۔"

"پھر تم نے بھوت کا نام لیا۔" فریدی بھنا کر بولا۔

"توبہ توبہ۔" حمید اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "لاحول ولا قوۃ! وہ تو میرے دادا جان تھے۔"

"اچھا بکو نہیں۔"

"ارے تو آپ ہی نے کیوں نہیں لپک کر اُس سے مصافحہ کیا۔ میں تو پیدائشی ڈرپوک اور بزدل ہوں۔"

"اگر وہ بھوت تھا تو قریب کیوں نہیں آیا۔" فریدی بولا۔

"فریدی صاحب! خدا کے لئے چپ رہئے۔" قاسم گھگھیا کر بولا۔

"ورنہ تم دونوں بیوہ ہو جاؤ گے۔ ارے تم نے پہلے کیا سمجھ کر فائر کیا تھا۔"

"پتہ نہیں! مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں شائد اس وقت اونگھ رہا تھا۔" فریدی ہنس پڑا۔

اُس نے ایک چٹان پر سے تھوڑی سی جگہ کی برف ہٹائی اور بیٹھ گیا۔

"کیا رات یہیں گذرے گی۔" حمید نے پوچھا۔

"خیال تو یہی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ تو ٹھیک نہیں!" قاسم بڑبڑایا۔

"چلو تھرموس مجھے دو۔" فریدی نے کہا۔

قاسم نے کافی کا تھرموس کاندھے سے اُتار کر فریدی کو دے دیا۔

"برف ہٹا کر بیٹھ جاؤ۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ہوا ساکن ہے ورنہ ٹھہرنا محال ہو جاتا۔"

"یہاں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔" قاسم نے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہم یہاں شکار کھیلنے آئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"حج کرنے تو آئے نہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "اگر ہم شکار نہ کھیلیں....!"

"بکومت۔" فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ "میں تمہیں زبردستی نہیں لایا ہوں۔"

"لیکن میں آپ کو زبردستی لے جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"فضول باتوں سے پرہیز کرو۔"

"مجھے ڈاکٹر نے برف سے پرہیز بتایا تھا۔" قاسم بولا۔ "میں گرمیوں میں بھی برف سے پرہیز کرتا ہوں۔"

"تو پھر چلے کیوں آئے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ برف اس طرح گرتی ہے۔" قاسم گڑگڑا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ سانس لینے میں برف کے ذرات پھیپھڑوں میں بھی داخل ہو جاتے ہوں گے۔"

"کھوپڑی میں بھی جاتے ہیں۔" فریدی نے تھرموس سے کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اور عقل منجمد ہو جاتی ہے۔ سنا ہے تم فرزانہ سے عشق کر رہے ہو۔"

"حمید بھائی! اللہ قسم تم بہت بُرے آدمی ہو۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"مگر وہ بہت دلیر لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی بولا۔

"تو میں کب بزدل ہوں۔" قاسم نے کہا اور پھر سنبھل کر بولا۔ "ارے ہش! لاحول.... مجھ سے کیا مطلب۔"

حمید کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کے دماغ نے قلابازیاں کھانی شروع کر دی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی کو کس طرح یہاں سے لے جائے۔ دفعتاً ایک بات اُسے سوجھ گئی اور وہ خوفزدہ آواز میں بولا۔

"لڑکیوں نے بہت بُرا کیا۔ انہیں وہاں سے ہٹ جانے والی تجویز منظور کر لینی چاہئے تھی یہ تو ہم ابھی دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس بھوت پر گولیاں بھی نہیں اثر کرتیں۔"

"میرا کیا بگڑتا ہے۔ آپ بھگتیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔" قاسم مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ حمید کی تدبیر کامیاب رہی۔ فریدی کو اٹھنا

ہی پڑا۔

دوسری صبح وہ دن چڑھے تک سوتے رہے لیکن سب سے پہلے فریدی ہی کی آنکھ کھلی۔ کوئی بُری طرح دروازہ پیٹ رہا تھا۔ فریدی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ نواب رشید الزماں تھے اور بُری طرح گھبرائے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"تم نے فرزانہ کو تو نہیں دیکھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"کیوں، کیا بات ہے۔ ہم تو سو رہے تھے۔"

"پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ صبح پانچ بجے اٹھ کر باہر نکلی تھی۔ ہم سمجھے شائد صوفیہ کے کمرے میں گئی ہوگی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ہے۔"

"پانچ بجے کے بعد سے اب خبر لی ہے آپ نے۔"

"زاہد بھی ابھی ہی بیدار ہوا ہے۔ اُس کا کمرہ کھلنے پر معلوم ہوا کہ فرزانہ وہاں نہیں ہے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ صوفیہ کے ساتھ سو رہی ہوگی۔"

"نیچے دیکھا آپ نے۔"

"نہیں.... ابھی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائینگ ہال میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کرنل صاحب کہاں ہیں۔"

"سو رہے ہیں۔ میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

قاسم اور حمید بھی بیدار ہو چکے تھے۔ قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نواب رشید الزماں کو گھور رہا تھا۔

"چلئے نیچے دیکھیں۔" فریدی نے اوور کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھی تیار ہو گئے۔

وہ چاروں زینے طے کرتے ہوئے ڈائینگ ہال میں آئے۔

ڈائینگ ہال میں فرزانہ اور منیجر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ فرزانہ ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی تھی اور منیجر اُس کے سامنے بڑے مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

"میرا نام چنگیز خاں ہے۔" فرزانہ گرج کر بولی۔

"جی ہاں۔" منیجر نے جھک کر کہا۔

"ارے....!" نواب رشید الزماں حیرت سے منہ پھاڑے ہوئے فریدی کی طرف مڑے، فریدی مسکرا رہا تھا۔

منیجر نے اُن لوگوں کو دیکھ کر وہاں سے ہٹنا چاہا لیکن فرزانہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"باادب.... سر قلم کر دیا جائے گا۔"

منیجر ان کی طرف دیکھ کر بڑی بے بسی سے مسکرایا۔ نواب رشید الزماں کو شائد غصہ آ گیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولے۔

"فرزانہ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

فرزانہ پہلے انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُس نے چیخ کر کہا۔

"کون ہو تم! اس طرح بے ادبی سے ہمارے دربار میں چلے آئے۔ ہمارے پیروں کو بوسہ دو۔"

"کیا بک رہی ہو لڑکی۔" نواب صاحب غصے سے کانپنے لگے۔

"اس گستاخ کا سر قلم کر دیا جائے۔" فرزانہ دونوں ہاتھوں سے میز پیٹتی ہوئی بولی۔

فریدی کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور اب وہ اُسے بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی متحیر تھا اور قاسم کی حالت تو عجیب تھی۔ کبھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہنس پڑے گا اور کبھی رو دینے والے انداز میں منہ بنانے لگتا تھا۔

وہ کیا تھا

کرنل شمشاد کو جگایا گیا اور وہ کسی نہ کسی طرح سے فرزانہ کو اوپر لے گیا۔ اُن کے ساتھ نواب صاحب، حمید اور قاسم بھی چلے گئے لیکن فریدی نیچے رہا۔

"کیا بات تھی۔" اُس نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"جناب والا میں خود بھی نہ سمجھ سکا۔ آپ لوگوں کے آنے سے قبل میں یہی سمجھ رہا تھا کہ صاحبزادی شائد مذاق فرما رہی ہیں۔"

"یہاں کتنی دیر سے تھی۔"

"آپ کے آنے سے شائد دس منٹ قبل تشریف لائی تھیں۔"

"اوپر ہی سے آئی تھی۔"

"اس پر میں نے غور نہیں کیا۔" منیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔"کیا ان پر کسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"شائد۔" فریدی آہستہ سے بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤں۔" منیجر نے کہا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" فریدی نے کہا اور اوپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

سب لوگ کرنل شمشاد کے کمرے میں اکٹھا تھے۔ فرزانہ اب بھی ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں کو گھور رہی تھی۔

"تم کون ہو۔" اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"مم.... میں.... قاسم ہوں.... جی ہاں۔"

"ہم تمہیں اپنا میرلشکر بنائیں گے۔" فرزانہ بولی۔"ان سب کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔"

"فرزانہ کیا بک رہی ہو۔" کرنل شمشاد چیخا۔

"اس بوڑھے کی گردن توڑ دی جائے۔" فرزانہ دانت پیس کر بولی۔ "تعمیل ہو۔"

اُس نے یہ بات قاسم کو مخاطب کر کے کہی تھی۔ قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں کرنل شمشاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ لوگ باہر چلئے۔" حمید نے غزالہ، شہناز اور صوفیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

وہ تینوں باہر نکل آئیں، حمید بھی اُن کے پیچھے تھا۔

"آخر یہ اسے ہوا کیا۔" غزالہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کسی قسم کا دورہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"دورہ! مگر میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتی ہیں۔"

"ہم دونوں بہت عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

"اچھا آپ لوگ اپنے کمروں میں جایئے! حمید نے کہا اور انہیں وہیں کھڑا چھوڑ کر پھر کرنل کے کمرے میں چلا گیا۔"

کرنل فرزانہ کے ہاتھ اور پیر باندھ رہا تھا اور وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔

فریدی نے منیجر کو ڈاکٹر کے لئے فون کیا۔

"مجھے چھوڑ دو۔" فرزانہ چیخ رہی تھی۔ "سالار اعظم کیا دیکھتے ہو۔ تمہارے سامنے مابدولت کی توہین ہو رہی ہے۔"

سالار اعظم بے چارہ دم بخود کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"میرے خیال سے انہیں یہاں تنہا رہنے دیا جائے۔" فریدی نے کرنل شمشاد سے کہا۔

"جیسا بہتر سمجھئے!" کرنل شمشاد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔"

وہ سب کمرے سے نکل آئے اور اُسے باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

"کیا اس قسم کے دورے بہت دنوں سے پڑتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں! کبھی نہیں۔ میں کیا کروں۔" کرنل شمشاد مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تعجب ہے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

فرزانہ اندر چیخ رہی تھی۔

قاسم حمید کو اپنے کمرے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ حمید سمجھا شائد وہ اس سلسلے میں اُسے کوئی بہت ہی اہم بات بتانا چاہتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر حمید اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"حمید بھائی بہت بُرا ہوا۔" قاسم نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

"مجھے اُس پر گولی نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"کیوں؟"

"اوہو.... اب کیا بتاؤں.... بس نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"آخر کیوں.... کوئی وجہ۔"

"اُس بھوت نے اب فرزانہ کو جکڑ لیا ہے۔"

"فرزانہ ہی کو کیوں جکڑا ہے۔"

"اب کیا بتاؤں۔" قاسم فکر مند لہجے میں بولا۔ "ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ایک بار ایک صاحب نے ایک بھوت کو چھیڑ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُن کی بیوی پر آ گیا۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیوں خفا کیوں ہوتے ہو حمید بھائی۔"

"کیا فرزانہ تمہاری بیوی ہے۔"

"نن.... نہیں.... مگر.... وہ عشق۔"

"اَخاہ! تو یہ کہئے چونکہ آپ اس سے عشق کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس پر آ گیا۔"

"یہی.... یہی بات ہے حمید بھائی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"اچھی بات ہے.... میں ذرا کرنل صاحب کو مطلع کر دوں۔"

"ارے.... ارے.... یعنی کہ....!"

"میں اُن سے صرف یہ کہوں گا کہ فرزانہ کی موجودہ حالت کا ذمہ دار قاسم ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بقیہ تم خود کہہ سن لینا۔"

حمید دروازے کی طرف بڑھا لیکن قاسم نے لپک کر اس کی کمر پکڑ لی۔

"یہ کیا؟"

"ارے تو کیا سچ مچ۔" قاسم جھنجھلا گیا۔

قاسم نے حمید کو چھوڑ دیا کیونکہ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ لیکن حمید کے ساتھ وہ بھی باہر نکل آیا۔

"شکاریوں کو چیک کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں؟"

"پھر پوچھنا۔" فریدی نے کہا اور کرنل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"کیا معاملہ ہے۔" قاسم نے حمید سے پوچھا۔

"کچھ نہیں! جاؤ اندر بیٹھو۔" حمید نے کہا اور ڈائننگ ہال میں جانے کے لئے سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

تینوں شکاری ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہے تھے۔ رائفلیں اس وقت بھی اُن کے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ بھاری چہرے والے نے حمید کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"آیئے!" اُن میں سے ایک نے حمید کو دعوت دی۔

''اوہ....! شکریہ۔'' حمید بڑے بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''بعض اوقات اپنی غیر دانش مندانہ حرکتیں وبال جان ہو جاتی ہیں۔''

''کیوں! خیریت۔'' بھاری چہرے والے نے پوچھا۔

''ہمارے ساتھ کی ایک خاتون پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہے۔''

''اب کیا حال ہے۔ ابھی مجھے منیجر سے معلوم ہوا تھا۔''

''کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔''

شکاری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''میرے خیال سے سردی.... آپ لوگوں نے واقعی غلطی کی خواتین کو ہرگز نہ لانا چاہئے تھا۔''

''کہئے کل رات کا شکار کیسا رہا۔'' حمید نے پوچھا۔

''کچھ نہیں ملا۔ کل ہم نے دوسری طرف قسمت آزمائی تھی۔ اگر میرے ساتھ چار آدمی بھی اور ہوتے تو میں سیتل گھاٹی کو کبھی نہ چھوڑتا۔''

''اگر ہم اور آپ تعاون کرلیں تو....!'' حمید نے کہا۔

''اوہ.... تب تو.... تب تو گروہی کو اپنی ولادت کا صحیح وقت بھی یاد آسکتا ہے، مگر اس میں ایک دشواری ہے۔''

''وہ کیا؟''

''آپ لوگ یہاں اجنبی ہیں۔ پتہ نہیں وہ کب اور کہاں آپ کو گھیر لیں۔''

دفعتاً حمید کو محسوس ہوا کہ اس نے ایک بہت ہی لایعنی سی بات چھیڑ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے ایسے موقعے پر انہیں چیک کرنے کے لئے کہا تھا جس کا تعلق شکار سے قطعی نہیں تھا لیکن اب اُسے الجھن ہونے لگی تھی کہ آخر وہ انہیں کس طرح چیک کرلے۔ پتہ نہیں فریدی کے ذہن میں کیا تھا۔

حمید نے ایک آدمی کو ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا، جو وضع قطع سے ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں ایک ہینڈ بیگ لٹکا رکھا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب آگئے۔'' منیجر نے کاؤنٹر سے حمید کو مخاطب کیا۔

''اچھا تو اجازت دیجئے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

ڈاکٹر کرنل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا اور حمید فریدی کو تلاش کرنے لگا جو اُن چاروں کمروں میں سے کسی میں بھی نہیں تھا۔ اُس نے اس کے متعلق سب پوچھا لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ باہر جاتا تو اُسے ڈائینگ ہال سے ضرور گزرنا پڑتا۔ پھر آخر وہ کہاں گیا۔ کیا فرزانہ کے سلسلے میں اُس نے کوئی اہم بات دریافت کی ہے۔

آخر کار تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ اُسے ایک غسل خانے میں مل گیا۔

"ڈاکٹر آ گیا ہے۔" حمید نے اُسے اطلاع دی۔

"ہوں....!" فریدی مڑ کر بولا۔ "تم نے شکاریوں کو چیک کیا۔"

"وہ تینوں ڈائینگ ہال میں موجود ہیں۔" حمید نے کہا۔

"رات کہاں تھے؟"

"باہر.... لیکن سیتل گھاٹی کے علاوہ کہیں اور تھے۔"

"یہاں کس وقت آئے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ آپ نے کیا چیک کیا ہے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "فرزانہ یہاں اسی غسل خانے میں آئی تھی۔"

"ضرور آئی ہو گی۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"اور اُسے جو کچھ بھی ہوا یہیں ہوا۔"

"حمید کچھ نہ بولا اُس کی طبیعت اکتا گئی تھی۔ یہاں آیا تھا تفریح کی غرض سے مگر ایک کیس سر پر سوار ہو گیا۔

وہ غسل خانے سے نکل آئے۔ کرنل شمشاد کے کمرے کے سامنے نواب رشید الزماں وغیرہ کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ شائد ڈاکٹر اور کرنل شمشاد اندر تھے۔ فرزانہ کی چیخیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

"بیہوش ہو گئی ہے۔" نواب صاحب فریدی کو دیکھ کر بڑبڑائے۔

"ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں معلوم ہوا.... دیکھ رہا ہے۔"

"میں میجر نصرت کو فون کرنے جارہا ہوں۔ عورتوں کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں.... کیا بات ہے۔" نواب رشید الزماں گھبرا کر بولے۔

"کوئی بات نہیں۔ ویسے ہی کہہ رہا ہوں ان سے کہئے کہ ضد اچھی نہیں ہوتی۔"

غزالہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ خود نہیں کہہ سکتے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں! اگر میرا کہنا نہ مانا گیا تو مجھے غصہ آجائے گا۔"

غزالہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ نواب رشید الزماں کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے کیونکہ ڈاکٹر باہر آرہا تھا۔

ڈاکٹری رپورٹ تو دوسروں کے لئے بڑی مبہم تھی۔ لیکن فریدی اس پر اس طرح چونکا تھا جیسے وہ انہیں امکانات پر غور کر تا رہا ہو۔ ڈاکٹر نے دورے کی وجہ اعصابی نظام میں خلل بتائی تھی۔ لیکن خلل کی وجہ خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکی تھی۔ اِس نے بیہوشی کے تدارک کے لئے انجکشن دیا تھا لیکن اس کی ذمہ داری نہیں لی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر آجائے گی۔

فریدی ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں ٹھہرے یا سیتل گھاٹی کی طرف جائے۔ اُس نے پچھلی رات ہی کو تہیہ کر لیا تھا کہ دن کو وہاں کے اُن مقامات کا جائزہ ضرور لے گا جہاں وہ پُراسرار شے نظر آئی تھی۔

اُس نے میجر نصرت کو فون کیا لیکن اُس وقت وہ نہ تو آفس میں موجود تھا اور نہ گھر پر۔ بہر حال وہ شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ عورتوں کو شہر پہنچا دیا جائے۔

کرنل شمشاد کی گھبراہٹ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ ابھی تک فرزانہ کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ لیکن اُس نے تاکید کر دی تھی کہ ہوش آنے پر اُسے فوراً مطلع کیا جائے۔

قاسم کی پارٹی کے سارے افراد کرنل کے کمرے میں موجود تھے۔ دفعتاً حمید کو قاسم کا خیال آیا اور اُس کی عدم موجودگی اُسے بڑی عجیب لگی۔ اُس نے فریدی سے اُس کے متعلق پوچھا بھی لیکن اُس نے لاعلمی ظاہر کی۔

حمید اپنے کمرے کی طرف آیا۔ قاسم وہاں بھی نہیں تھا۔ البتہ حمید نے یہ بات ضرور محسوس

ں کہ قاسم کی پوستین اور رائفل بھی موجود نہیں ہے۔

وہاں سے وہ سیدھا ڈائننگ ہال میں آیا اور پھر منیجر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قاسم کچھ دیر قبل اُدھر سے گذر کر باہر گیا تھا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس کے پاس رائفل بھی تھی۔ حمید نے اُن تینوں شکاریوں کے متعلق پوچھا۔

"وہ اپنے کمروں میں ہوں گے۔" منیجر نے کہا۔

اور پھر اُس کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ تینوں شکاری اپنے کمروں میں موجود تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر قاسم کہاں گیا۔

اُس نے اس کی اطلاع فریدی کو دی۔

"کیا وہ اس سے پہلے بھی ٹیکم گڈھ آچکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"عجیب احمق آدمی ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کہیں وہ سیتل گھاٹی کی طرف نہ چلا گیا ہو۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ فرزانہ کو ہوش آگیا ہے اور وہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ اُسے قطعی نہیں یاد کہ اُس پر دورہ بھی پڑا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ ابھی سو کر اٹھی ہے۔"

"کوئی ذہنی مرض۔"

"پتہ نہیں.... چلو جلدی کرو۔ کہیں وہ تمہارا ڈیوٹ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے ویسے یہاں کوئی بہت خطرناک کھیل کھیلا جارہا ہے۔"

قاسم کی چیخ

حمید اور فریدی سیتل گھاٹی کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستوں کی برف پگھل گئی تھی البتہ کہیں کہیں گڑھوں اور چٹانوں کی دراڑوں میں اب بھی نظر آرہی تھی۔

راستہ صاف ہونے کی وجہ سے وہ خاصی تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ اُن کے خیال کے مطابق قاسم اگر سیتل گھاٹی کی ہی طرف گیا تھا تو انہیں توقع تھی کہ وہ اسے کہیں نہ کہیں راستے ہی میں پالیں گے۔

"تو پھر آپ نے عورتوں کے متعلق کیا سوچا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میجر نصرت کو فون تو کیا تھا۔ لیکن وہ تھا ہی نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"یہ بھوتوں والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اُن شکاریوں کے بیان کے مطابق وہ اُن کی مخالف پارٹی ہی کا کوئی شعبدہ ہے تو پھر وہ اسی سیزن میں کیوں نظر آیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ پچھلے سیزن میں انہوں نے کوئی اور حرکت کی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ہوٹل کی لڑکی کے اغواء کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔"

"یہی دیکھنا ہے۔"

"دوسری بات یہ کہ آپ فرزانہ والے معاملے میں مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں اس دورے کو مرض نہیں سمجھتا۔"

"آخر کیوں؟"

"اس کی بھی وجہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس قسم کے دورے فی نفسہٖ مرض نہیں ہوتے بلکہ کوئی مرض رفتہ رفتہ بڑھ کر دورے کی وجہ بنتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ قطعی مختلف ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اعصابی نظام میں اچانک کوئی خلل واقع ہوا ہے اور پھر وہ ہوش آنے پر قطعی صحیح الدماغ ثابت ہوئی ہے۔ اب سنو! یہ اچانک قسم کے خلل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خود اعصابی نظام ہی کے کسی ردعمل کی بناء پر واقع ہوتا ہے مثلاً کسی صدمے کی وجہ سے اعصابی نظام میں اچانک کوئی تبدیلی پیدا ہو کر خلل بن جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی دوا یا زہر اس کا باعث ہو۔ پہلی صورت عموماً مستقل ہوتی ہے یعنی وہ خلل مستقل طور پر قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن دوسری صورت میں خلل دیرپا نہیں ہوتا مثال کے طور پر شراب کے استعمال کو لے لو۔ جب تک شراب کا اثر اعصاب پر رہتا ہے آدمی حواس میں نہیں رہتا لیکن اثر زائل ہوتے ہی اس کی ذہنی حالت اعتدال پر آجاتی ہے۔ فرزانہ کا دوبارہ ہوش میں آجانا ثابت کرتا ہے کہ اُس نے کوئی ایسی چیز استعمال کی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لئے اس کا دماغ الٹ دیا۔"

"استعمال کی تھی۔" حمید چونک کر بولا۔ "یعنی.... آپ کا مطلب ہے...."

"میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ کوئی دماغ الٹ دینے والی چیز تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے

نادانستگی میں اُسے استعمال کیا ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ لیکن مقصد سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ فرزانہ بچہ تو تھی نہیں کہ سوچے سمجھے بغیر ایسی کوئی چیز استعمال کر بیٹھتی۔

وہ دونوں خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔

سیتل گھاٹی سنسان پڑی تھی، چونکہ پچھلی رات کو مزید برف باری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے صرف نشیب ہی کی زمین میں تھوڑی بہت برف نظر آرہی تھی یا پھر چٹانوں کے رخنے برف سے پُر تھے۔ وہ دونوں چٹانوں کا سلسلہ پار کر کے دوسری طرف پہنچے اور پھر انہوں نے قاسم کی آواز سنی، جو عربی میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

اس کی پشت ان کی طرف تھی اور وہ ایک چٹان پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ فریدی ہنس پڑا۔ لیکن قاسم اتنا محو تھا کہ شاید اس نے اس کی آواز نہیں سنی۔

"یہ کیا پڑھ رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"درود تاج۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بھوتوں کو بھگانے کے لئے۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اُس کے پیچھے پہنچ گئے۔ قاسم کو خبر تک نہ ہوئی۔ شاید اس نے آنکھیں بھی بند کر رکھی تھیں اور جھوم جھوم کر درود تاج پڑھ رہا تھا۔

حمید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مارا.... اور پھر.... دفعتاً قاسم درود تاج بھول گیا اور اس کے منہ سے خوف زدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ سر شانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ کی۔

فریدی اور حمید ہنس پڑے۔

"ارے....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے بھی احمقوں کی طرح ہنسنا شروع کر دیا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں نے یہ سرزمین بھوتوں سے صاف کر دی۔"

"خوف....!" فریدی مسکرا کر بولا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"حمید بھائی! ان کا کیا حال ہے۔" قاسم نے سر جھکا کر شرماتے ہوئے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ اب وہ تمہیں سالار اعظم بنانے کی بجائے متبنیٰ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔

"حمید.....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔"وہ دراڑ کیا ہوگئی جہاں وہ پچھلی رات کو غائب ہوا تھا۔"

"اوہ.... واقعی.... ادھر ہی تو تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے....اور گول چٹان.... لیکن دراڑ کیا ہوگئی۔"

"میں نے سب کچھ غائب کردیا۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔"مجھے سفلی عمل بھی آتے ہیں۔ لیکن میں نے صرف علوی سے کام لیا ہے۔ میں نے ان بھوتوں کو جلادیا۔"

"آؤذرادیکھیں تو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ذرا آسمان کی طرف بھی دیکھتے رہئے گا۔ میرا خیال ہے کہ برف باری ضرور ہوگی۔"

"اوہ چلو!" فریدی نے کہا۔"میں یہاں کے بہتیرے اچھے قسم کے غاروں سے واقف ہوں۔ جہاں ہم پناہ لے سکیں گے۔ کرنل ڈکسن [1] والے کیس نے مجھے ٹیکم گڈھ کے چپے چپے سے واقف کرادیا تھا۔"

"سب بے کار ہے۔" قاسم نے بڑی خوداعتمادی سے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک چھان بین کرتے رہنے کے باوجود بھی اس دراڑ کا پتہ نہ چلا جہاں وہ پہلا بھوت غائب ہوا تھا۔ پھر وہ اس چٹان پر آئے جہاں پر انہوں نے دوسرا بھوت دیکھا تھا لیکن یہاں بھی انہیں کوئی بات نہ معلوم ہوسکی۔

"حمید صاحب! اب میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں ہوٹل میں روکے رکھنے کے لئے فرزانہ پر کوئی دوا آزمائی گئی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے غسل خانے میں انجکشن لگانے کی ایک باریک سی سوئی پائی تھی۔"

"توکیا...انجکشن.....!"

"میرا خیال یہی ہے۔ ورنہ غسل خانے میں انجکشن کی سوئی کا کیا کام اور پھر اگر وہ کچھ دن

---

[1] کرنل ڈکسن کے لئے "نیلی روشنی" جلد نمبر 6 ملاحظہ فرمائیے۔

پہلے کی ہوتی تو پیروں کے نیچے دب دب کر اُس کی رنگت بگڑ گئی ہوتی۔"

"کیا فرزانہ نے ہوش میں آنے کے بعد انجکشن کا تذکرہ کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں اتنی دیر تک ٹھہرا ہی نہیں کہ اسے معلوم کرتا۔"

"فریدی صاحب۔" قاسم بڑے سعادت مندانہ لہجے میں بولا۔ "یقین کیجئے کہ میں نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ اگر پھر کوئی گڑبڑ ہوئی تو آپ پر ایک جلالی عمل کروں گا۔"

"اچھا.... اچھا....!" فریدی ہنس کر بولا۔

حمید نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ پورا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔

"اب نکل ہی چلئے تو بہتر ہے۔" اس نے کہا۔ "برف باری ہونے ہی والی ہے۔"

فریدی جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ فضا میں باریک باریک سفید ذرات اڑنے لگے۔

"اُوہ.... یہ تو آ ہی گئی۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی ان کے آگے تھا۔

"قاسم سنبھل کر۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... چلتے رہیئے۔"

وہ دو چٹانوں کی ایک درمیانی دراڑ میں گھسے۔ برف تیزی سے گرنے لگی تھی اور خلاء میں سفیدی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

"چلو اندر چلو۔" فریدی نے ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ اس کی وجہ حمید کی بھی سمجھ میں آ گئی تھی۔ غار کے دہانے سے کچھ ایسی خوشبو آ رہی تھی جیسے اندر گوشت بھونا جا رہا ہو۔

حالانکہ دراڑ کا دہانہ اوپر سے تنگ تھا۔ لیکن پھر بھی برف کے ذرات اُن پر گر رہے تھے۔

"کوئی اندر ہے؟" حمید نے سرگوشی کی۔

"چلو! ممکن ہے شکاریوں میں سے کوئی ہو۔" فریدی نے کہا اور غار کے دہانے میں اُتر گیا۔

قاسم اور حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر دھندلی سی روشنی تھی۔ ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔ جس کے قریب دو آدمی

بیٹھے کوئی پرندہ بھون رہے تھے۔ ان کے غار میں داخل ہونے پر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ ان کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ رہی ہو۔ ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کر کے کچھ کہا لیکن جواب نہ پا کر اس نے انہیں غور سے دیکھا اور پھر اچانک اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اسپرنگ پر بیٹھا رہا ہو۔ اس کا ساتھی بھی کھڑا ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "برف باری کی وجہ سے ہمیں یہاں پناہ لینی پڑی۔"

ان لوگوں کے چہروں پر روشنی صاف نہیں پڑ رہی تھی اس لئے وہ انہیں گھورتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔ فریدی اور حمید پر سے نظریں ہٹا کر اُس نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

پھر اس نے اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم تو کہتے تھے کہ وہ صرف تین ہیں۔ اس کا ساتھی بھی آگ کے پاس سے ہٹ کر اُن کے قریب آ گیا۔"

"لیکن یہ لوگ....!" دوسرا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہم لوگ یہاں اجنبی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی نظریں ایک آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو کافی قوی الجثہ اور لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ان دو رائفلوں پر پڑیں جو ایک پتھر سے ٹکی ہوئی تھیں۔"

"شکاری....؟" پہلے نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" فریدی بولا۔

"کس ٹولی سے تعلق ہے۔"

"ہم پیشہ ور شکاری نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تفریحاً چلے آئے ہیں۔"

"اوہ! قیام کہاں ہے؟"

"فزارو میں....!"

پہلے نے دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اس کے بعد وہ پھر قاسم کو گھورنے لگا۔

"کیا.... آپ لوگ وہی تو نہیں جنہوں نے پچھلی رات ان خبیثوں پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے اپنے چہرے پر استعجاب پیدا کر کے کہا۔

"کل رات آپ لوگ یہاں آئے تھے۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

''آپ کو کس نے بتایا کہ شکار یہاں ملے گا۔''

''اوہ.... '' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا ''کل فزارو میں تین شکاریوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شکار صرف سیتل گھاٹی میں ملتا ہے۔''

''تین شکاری۔'' پہلا دانت پیس کر بڑبڑایا۔

''کیوں؟ کیا انہوں نے ہمیں غلط مشورہ دیا تھا۔'' فریدی نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

''اوہ.... نہیں تو.... یہاں واقعی بہت شکار ہے۔''

''تب تو بہت اچھا ہے۔'' فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے حمید اور قاسم کو بھی بیٹھنے کو کہا۔

دونوں اجنبی بھی بڑے بے تعلقانہ انداز میں آگ کے قریب جا بیٹھے۔

''اگر سردی زیادہ لگ رہی ہو تو یہاں آجایئے۔'' ان میں سے ایک نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''جی شکریہ! ہم بالکل ٹھیک ہیں۔'' فریدی بولا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شائد وہ دونوں گرومی کی پارٹی کے آدمی ہیں۔ وہ تجسس آمیز نظروں سے غار کا جائزہ لیتا رہا۔

''آپ لوگوں کا شکار کیسا رہا۔'' دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

''یہ سیزن ابھی تک بڑا خراب رہا ہے۔'' ان میں سے ایک بولا۔ ''شائد برف تیزی سے گر رہی ہے۔ دیکھنا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ غار کا دہانہ ہی بند ہو جائے۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''ٹھہریئے! ہم دیکھتے ہیں۔'' ایک نے کہا اور اسی کے ساتھ دوسرا بھی اٹھ گیا۔

''ہم بھی چلتے ہیں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

ان کے اٹھتے اٹھتے ہی وہ دونوں غار کے دہانے سے نکل گئے لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ غار کے دہانے کے قریب گری ہوئی برف کو دوسری طرف سرکانے کی بجائے دراڑ کے دہانے کی طرف کھسکا رہے تھے۔ وہ دوبارہ غار کے دہانے کی طرف لوٹے اور بہت سی برف اپنے بیلچوں کے ذریعے گھسیٹ لے گئے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ تینوں مطمئن ہو کر اندر بیٹھے رہے۔ پتھر پر بیلچوں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی آواز جاری تھی۔

فریدی وغیرہ نے اٹھ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ بس بیلچے چلنے کی آوازیں سنتے رہے اور پھر شکار کی باتیں چھڑ گئیں۔ دفعتاً فریدی تھوڑی دیر بعد چونکا۔

"اوہ.... ہمیں بھی ان کی مدد کرنی چاہئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

دہانے کے باہر چٹانوں پر بیلچے چلتے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ باہر نکل آئے اور قاسم بے ساختہ ہنس پڑا۔ ہنسی حمید کو بھی آئی۔ لیکن بیساختہ قسم کی نہیں تھی۔ فریدی نے البتہ بہت بُرا منہ بنایا تھا۔

کچھ دور پر ان کے سامنے ہی ایک خارش زدہ لومڑی پڑی تھی اور ایک بیلچہ اس کے پیروں سے بندھا ہوا تھا۔ وہ آزاد ہونے کے لئے اپنے جسم کو جنبش دے رہی تھی اور بیلچہ ایک پتھر سے رگڑ کھا کر آوازیں پیدا کر رہا تھا۔

"دیکھا تم نے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "کم بخت اس طرح ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے۔"

"مگر جائیں گے کہاں؟" حمید بولا۔ "برف کتنی گہری گر رہی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا۔"

فریدی دوڑتا ہوا دراڑ کے دہانے تک گیا اور چند لمحے رک کر پھر پلٹ آیا۔

"کسی طرف نکل گئے۔" خیر قاسم تم یہیں ٹھہرو۔ ہوشیار رہنا اور حمید تم میرے ساتھ آؤ۔"

قاسم کو دراڑ کے دہانے پر چھوڑ کر فریدی اور حمید دوبارہ غار میں داخل ہوئے۔

"اپنا سارا سامان بھی چھوڑ گئے۔" فریدی نے ان کی رائفلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر اچانک ایک دوسری چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی۔ یہ کسی عورت کا شب خوابی کا لبادہ تھا۔ اس نے لپک کر اُسے اٹھا لیا اور پھر اسے اس پر کئی جگہ خون کے دھبے بھی دکھائی دیئے۔

دفعتاً قاسم کی خوفناک چیخ سے پوری دراڑ گونج اٹھی۔

آنکھ کھلی تو

حمید اچھل کر باہر بھاگا۔ قاسم دراڑ کے دہانے کے قریب زمین پر اکڑوں بیٹھا گھٹنوں میں منہ دیئے ہوئے درود تاج پڑھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ہپ.... حمید.... بھائی.... بھبھ....!"

"کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

قاسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر دبائی اور بوڑھوں کی طرح کراہ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"کوئی کسر رہ گئی۔ اب میں سفلی عمل کروں گا۔" قاسم بولا۔

"کیا بک رہے ہو۔"

"اللہ قسم ابھی ابھی ادھر سے گزرا ہے۔" قاسم نے دراڑ کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کون....؟"

"وہی رات والا بھوت۔"

فریدی دراڑ کے باہر دیکھنے لگا لیکن برف باری کی زیادتی کی وجہ سے دراڑ کے دہانے پر سفید رنگ کا ایک پردہ سا ہلتا نظر آ رہا تھا اور اس پار کی کسی چیز کی دھندلی سی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔"

"کہاں دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہاں.... بالکل دراڑ سے لگ کر نکلا تھا۔" قاسم نے کہا۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہو گا۔"

"دھوکا.... نہیں اللہ قسم۔"

"تو اس بُری طرح چیخنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے کہا۔

"حمید بھائی.... بھوت تھا۔"

"ختم کرو بے کار باتیں۔" فریدی نے کہا۔ "حمید تم اس سرے پر ٹھہرو اور قاسم تم اپنی جگہ پر رہو گے۔"

"اور آپ....!" قاسم بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر غار میں اتر گیا۔ حمید اور قاسم دراڑ کے دونوں دہانوں میں کھڑے رہے۔

برف باری تھمنے کے آثار نہیں تھے۔ کبھی فضا میں چھائی ہوئی سفید دھندلاہٹ ہلکی ہو جاتی اور کبھی گہری۔ دراڑ کے دہانے پر برف کے دو دو فٹ اونچے ڈھیر ہو گئے تھے اور ان کی اونچائی میں

اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

"یار اس بیلچے کو لومڑی کے پنجے سے رہائی دلوانی چاہئے۔" حمید نے قاسم کو مخاطب کیا۔

"کیوں.... پڑا رہنے دو۔" قاسم بڑبڑایا۔

حمید کچھ کہنے والا تھا کہ فریدی غار سے باہر آگیا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔ حمید اُسے چند لمحے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"ان برخوردار کی بدولت۔" فریدی قاسم کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔" قاسم گڑبڑا کر بولا۔

"کچھ نہیں تم یہیں ٹھہرو اور اپنے وظیفے بلند آواز میں پڑھتے رہنا۔" فریدی نے کہا۔ پھر اس نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

غار میں پہنچ کر اس نے اس پتھر کی طرف اشارہ کیا جس پر حمید نے غائب ہو جانے والوں کی رائفلیں دیکھی تھیں۔ اب رائفلیں وہاں نہیں تھیں۔

"ہم بمشکل تمام دو یا تین منٹ دراڑ میں ٹھہرے ہوں گے۔" فریدی نے کہا "اور اتنی ہی دیر میں نہ صرف رائفلیں بلکہ وہ شب خوابی کا لبادہ بھی غائب ہو گیا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دراصل اس وقت اس کا ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ انتہائی گرم کپڑوں اور قیمتی پوستین کے باوجود بھی سردی کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔ اس پر اس اطلاع کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اس کے ذہن میں غار کی نیم تاریک فضا اور الاؤ میں جلنے والے پرندے کی چرائندھ کا ایک نیم خوابیدہ سا احساس موجود تھا اور بس۔

"کیا تم بھی بھوتوں کے متعلق سوچنے لگے۔" فریدی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"اوں.... ہاں.... میں کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے جھک کر الاؤ سے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ غار کے دوسرے دہانے کا مجھے خیال نہیں رہ گیا تھا۔ اب سے ڈیڑھ سال قبل میں نے اپنی تین راتیں اسی غار میں گزاری تھیں۔"

وہ جلتی لکڑی اٹھائے کشادہ غار میں ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ حمید کا دل تو نہیں چاہتا تھا

لیکن وہ مجبوراً ساتھ دیتا رہا۔ آگے چل کر ایک تنگ سا موڑ تھا اور پھر اس کے آگے راستہ نہیں تھا۔ حمید جھنجھلا کر اٹھا۔ بھلا وہ دوسرا دہانہ کہاں ہے۔

فریدی اس کی طرف مڑا۔

"ضروری نہیں کہ آپ کی یادداشت ہمیشہ اچھی ثابت ہوتی رہے۔" حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"سنئے! میرا موڈ بہت خراب ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میں ننگا ہو کر گرتی ہوئی برف میں ناچنے لگوں۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔"

"کیا وہ دوسرا دہانہ صرف آپ ہی کو دکھائی دے رہا ہے۔" حمید جھنجھلاہٹ میں چیخ پڑا۔

"اوہ.... یہ بات ہے۔ اچھا ادھر آؤ۔"

فریدی غار کے انتہائی سرے سے پیٹھ لگا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

دفعتاً حمید کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ قاسم نے بھی ابھی وہ بھوت دیکھا تھا تو کیا فریدی پر بھی کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے یا اس بھوت ہی نے فریدی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

حمید بڑی تیزی سے یہ سب کچھ سوچتا چلا گیا۔ سردی کی شدت سے مضمحل ہوتا ہوا ذہن سب کچھ سوچ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں حمید خود پر بھی بھوت سوار ہو جانے کا شبہ کر سکتا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن کی پراگندگی نے دھندلی روشنی میں فریدی کے سر پر سینگ بھی اگا دیئے۔

جلتی ہوئی لکڑی بجھنے لگی تھی۔ حمید کو فریدی کا چہرہ حد درجہ بھیانک نظر آنے لگا اور پھر دفعتاً وہ چیخ مار کر بھاگا۔

فریدی اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے دوڑا۔

قاسم نے حمید کو اس طرح غار سے نکلتے دیکھا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"بھاگو....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔

قاسم نے بھی چیخ مار کر دراڑ کے باہر چھلانگ لگا دی اور پھر فریدی نے ان دونوں کو برف

کے ذرات کی دھند میں غائب ہوتے دیکھا۔

پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ حمید پر شائد شرارت کا بھوت سوار ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ برف اتنی تیزی سے گر رہی تھی کہ دس قدم دور کی بھی کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے ان دونوں کے نام لے لے کر چیخنا شروع کر دیا.... مگر جواب ندارد۔

"کیا حماقت ہے۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔ برف باری کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جارہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دراڑ کا دہانہ تھوڑی ہی دیر بعد برف سے ڈھک جائے گا۔ فریدی نے کسی نہ کسی طرح خارش زدہ لومڑی کے پیروں سے بیلچہ کھولا اور وہ خوں خوں کرتی ہوئی غار میں گھس گئی۔

پھر وہ بیلچے کی مدد سے دراڑ کے دہانے پر اکٹھا ہوتی ہوئی برف ہٹانے لگا۔ حمید اور قاسم کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید کا وہ فعل محض مذاق تھا تو اسے زیادہ دیر تک برقرار نہ رہنا چاہئے تھا۔ آخر وہ کیا سمجھ کر اس طرح بھاگا وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حمید یک بیک اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا۔

وہ بیلچے سے برف ہٹاتا رہا.... رہ رہ کر وہ حمید اور قاسم کو آوازیں بھی دیتا جارہا تھا۔ پھر اچانک خاموش ہو گیا۔ اس طرح چیختے رہنا بھی حماقت ہی تھی۔ برف ہٹاتے ہٹاتے تھک گیا تو بیلچہ ایک طرف ڈال کر بیٹھ گیا لیکن اس طرح کہ دراڑ کے دونوں طرف نظریں رہ سکیں۔ وہ مطمئن نہیں تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ کچھ پُراسرار نامعلوم آدمی اس کے قریب ہی کہیں موجود ہیں اور کسی وقت بھی اس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ غار میں پائے جانے والے اجنبیوں کا اس طرح بھاگنا ان کی نیت کے فتور کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ لیکن ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر وہ گرومی ہی کی پارٹی کے آدمی تھے تو انہوں نے خود کو مشتبہ بنانے کی کوشش کیوں کی۔ اگر وہ سکون اور اطمینان سے غار ہی میں بیٹھے رہتے تو فریدی ان کا کیا کر لیتا اور پھر یہ بات قانوناً جرم بھی نہیں تھی۔ بہرحال ان کے اس طرح بھاگ جانے پر وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ شب خوابی کا لبادہ اسی لڑکی کا نہ رہا ہو جسے فزارو سے اٹھایا گیا تھا اور پھر وہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اس لبادے کو وہاں سے اٹھا بھی تو لے گئے تھے۔

پھر ایک خیال اور بھی آیا.... وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ اسے پہچانتے نہ ہوں۔ اگر یہ بات تھی تو

وہ خود بھی خطرے میں تھا۔ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ حقیقتاً وہ بڑے خطرے میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ان کی تعداد دو سے زیادہ ہوئی تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اسے اس وقت بڑی آسانی سے گھیر کر مارا جا سکتا تھا اس کے لئے صرف تین ہی آدمی کافی ہوتے۔ دو تو غار کے دراڑ کے دونوں دہانے سنبھال لیتے اور ایک دوسری طرف سے غار کے دہانے پر آ جاتا۔

غار کے دوسرے دہانے کے متعلق حمید کو دراصل غلط فہمی ہوئی تھی اگر وہ فریدی کے بلانے پر اس کے قریب چلا جاتا تو اس دوسرے دہانے کو بہ آسانی دیکھ لیتا۔ وہ دراصل اوپر کی طرف تھا۔ ایک تنگ راستہ جو ایک ڈھلان کی شکل میں دس گیارہ فٹ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔

قصور اس کا نہیں بلکہ اس کے تھکے ہوئے ذہن کا تھا۔ پچھلی رات شائد تین بجے سونا نصیب ہوا تھا اور پھر سردی کی شدت! اونگھتے ہوئے ذہن نے واہمے کو تقویت دی اور وہ فریدی ہی کو بھوت سمجھ بیٹھا۔ پھر اس طرح بے تحاشا بھاگا کہ برف باری کی پرواہ کئے بغیر دراڑ سے نکل گیا۔ اس نے قاسم کو بھی بھاگتے دیکھا تھا۔ لیکن آگے چل کر گرد و پیش کے اڑتے ہوئے سفید ذرات نے اُسے قریب قریب اندھا کر دیا۔ اب نہ وہ اس دراڑ ہی کی طرف جا سکتا تھا اور نہ آگے ہی بڑھ سکتا تھا کیونکہ اب اس کے ذہن کی وہ نیم غنودہ سی کیفیت ختم ہو گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں سچ مچ کسی گڑھے ہی میں نہ گر پڑے۔ اس نے بوکھلا کر تھوڑی سی جگہ میں چکر کاٹنے شروع کر دیئے۔ اسے کسی آدمی کی پے در پے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چیخنے والا کون ہے۔ اگر ایک بار بھی وہ چیخیں اس کے کان پڑ جاتیں تو وہ آواز کی طرف چل پڑتا اور پھر اسی دراڑ تک پہنچ جاتا کیونکہ وہ درحقیقت فریدی تھا جس کی آواز اس کے کانوں تک ہذیانی قسم کی چیخ بن کر پہنچ رہی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ اسے فریدی کا خیال تھا اور نہ قاسم کا.... بس وہ ایک محدود سی جگہ میں چکر لگا رہا تھا۔

اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے برف کا ایک بہت بڑا ڈھیر اس پر آ رہا ہو۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ لیکن برف کا وہ ڈھیر جو اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ انتہائی قوت صرف کرنے کے باوجود بھی اس پر مسلط ہی رہا۔ یہ عجیب بات تھی کہ نیچے دبا ہوا برف کا بستر بڑا ملائم تھا۔ لیکن اوپر کا ڈھیر جمی ہوئی برف کی طرح سخت تھا۔ پھر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ اوپر کی طرف اٹھ رہا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود اس ڈھیر پر مسلط ہو گیا۔ لیکن اس جدوجہد میں اس کے قویٰ جواب دے چکے تھے اور

رفتہ رفتہ اس پر غشی طاری ہوتی جارہی تھی۔ اچانک سفیدی پر تاریکی کے غلاف چڑھ گئے۔

پتہ نہیں اُسے کس وقت ہوش آیا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ ایسا گھنا اندھیرا جس میں روشنی کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں تھا۔ ہوش آتے ہی سب سے پہلے اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کا جسم ہموار زمین پر نہیں ہے۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن جسم کو جنبش نہ دے سکا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن صاف ہوتا جارہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے کسی آدمی کی آواز سنی جو شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہا تھا۔ آواز قریب ہی سے آرہی تھی۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ لیکن بے سود.... آواز لحظہ بہ لحظہ بلند ہوتی جارہی تھی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز کسی پھوٹ پھوٹ کر رونے والے کی آواز میں تبدیل ہو جائے گی۔

"ہائیں.... قاسم....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"غغ.... غغ.... غوں.... غمید بھائی۔"

"میں اس وقت سفلی عمل کر رہا ہوں۔ بھوت نے مجھے بوتل میں بند کر دیا ہے۔" قاسم نے کہا اور بلند آواز میں بڑبڑانے لگا۔ "لوٹک لوٹا.... جھوٹک جھوٹا.... ہلدی کی گانٹھ.... کٹاری کی آنکھ.... اٹار بندھوں کٹار باندھوں.... باندھو چپکل چشنک بھیروں.... بھیروں.... بھیروں۔"

"چپ رہو۔" حمید نے اسے ڈانٹا۔

"ارے ارے.... گڑبڑ نہ کرو۔" قاسم نے ہانک لگائی۔

"بکواس بند کرو۔ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں.... لوٹک لوٹا.... جھوٹک جھوٹا.... ہلدی کی.... گگ.... گانٹھ....!"

قاسم بڑبڑا رہا تھا اور حمید اپنی پوستین کے نیچے ریوالور کا ہولسٹر تلاش کرنے لگا۔ لیکن وہ کارتوس کی پیٹی سمیت غائب تھا۔ رائفل کے متعلق تو خیر اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چلتے وقت اس نے گھڑی بھی نہیں لگائی تھی کہ اس کے اندھیرے میں چمکنے والے ہندسوں سے وقت ہی کا اندازہ لگا سکتا۔

دفعتاً اسے سگار لائٹر یاد آیا۔ لیکن اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں اُسے بھی نہ نکال لیا گیا ہو۔ اس اندھیرے میں وہ امید کی آخری کرن تھی۔ آخر جی کڑا

کر کے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سگار لائٹر موجود تھا۔

جیسے ہی اس نے سگار لائٹر جلایا قاسم کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ لیکن وہ تھا کہاں؟ حمید آنکھیں پھاڑے چاروں طرف گھورتا رہا۔ لیکن قاسم کہیں نہ دکھائی دیا۔ البتہ اس کی آواز وہ صاف سن رہا تھا۔

شائد اب قاسم نے سفلی اور علوی دونوں قسم کے عمل ایک ساتھ شروع کر دیئے تھے۔

یہ ایک کافی کشادہ غار تھا لیکن چاروں طرف سے بند۔ کہیں بھی کوئی رخنہ نظر نہیں آرہا تھا۔ حمید کا دم گھٹنے لگا۔

"ارے! ہو ہو ہو۔" قاسم کی آواز غار میں گونج رہی تھی۔

دشمن شکاری

برف باری ختم ہو جانے کے بعد فریدی، قاسم اور حمید کو بڑی دیر تک تلاش کرتا رہا لیکن وہ نہ ملے۔ تشویش لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دونوں کسی گڑھے میں گر کر برف میں دفن نہ ہو گئے ہوں۔

وہ کب تک انہیں تلاش کرتا.... آخر تھک ہار کر فزارو کی طرف لوٹنا پڑتا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا ممکن ہے وہ دونوں فزارو ہی پہنچ گئے ہوں لیکن یہ خیال محض ایک دل بہلانے والا خیال ہی رہا۔ اسی خیال کے ساتھ اُسے یہ بھی سوچنا پڑتا تھا کہ اگر حمید فزارو پہنچ گیا ہوتا تو کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر اُس کی تلاش میں واپس ضرور آتا۔

بہر حال فزارو پہنچ کر فریدی کو یقین آگیا کہ وہ دونوں یقیناً برف ہی میں کہیں دب کر رہ گئے ہیں۔ اُس نے میجر نصرت کو فون کیا وہ آفس ہی میں موجود تھا۔ فریدی فون پر اُسے وضاحت کے ساتھ کچھ نہ بتا سکا۔ ویسے اُس نے اُس سے جلد سے جلد فزارو پہنچ جانے کی استدعا کی تھی۔

فریدی نے اپنے پچھلی رات کے کارناموں کے متعلق نواب رشید الزماں وغیرہ کو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اب بتانا ہی پڑا۔ حمید اور قاسم کا انجام سن کر وہ سب سناٹے میں آگئے۔ شہناز کے چہرے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گی۔

"میاں تم نے بڑی غلطی کی۔" نواب رشید الزماں بولے۔ "آخر ایسی صورت میں وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ بھوت نہیں تھے۔" فریدی نے کہا۔

"چلو یہی سہی لیکن ہم سے بھی تو تذکرہ کرنا چاہئے تھا۔"

غزالہ نے بھی کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" فریدی بولا۔

"چلو انہیں تلاش کریں۔" کرنل شمشاد نے کہا۔

"میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" اُس کی لڑکی فرزانہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے میجر نصرت کا انتظار ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میرا ذہن اس وقت کام نہیں کر رہا ہے پتہ نہیں حمید کو کیا ہو گیا تھا اور وہ اس طرح کیوں بھاگا تھا۔"

"فریدی صاحب۔" کرنل شمشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ لوگ یقیناً کسی شیطانی چکر میں پڑ گئے ہیں۔ آپ کا جوانی کا خون ہے اور ابھی آپ پہاڑ سے بھی ٹکرا سکتے ہیں۔ میں بھی آپ ہی کی طرح بد ارواح کا قائل نہیں تھا۔ لیکن 1944ء میں لیبیا کے محاذ پر مجھے قائل ہی ہو جانا پڑا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا اس کے لئے یہ خیال انتہائی تکلیف دہ تھا کہ وہ اب حمید کو کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن پھر بھی رہ رہ کر دروازے کی طرف اس انداز سے دیکھ لیتا تھا، جیسے اُسے توقع ہو کہ ابھی حمید اپنے مخصوص لہجے میں کوئی نیا شوشہ چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہو گا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"اب آپ لوگ براہِ کرم یہاں سے کہیں اور چلنے کی تیار کیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"کہاں چلیں۔" نواب رشید الزماں نے پوچھا۔

"میجر نصرت کہیں نہ کہیں انتظام کریں گے۔" فریدی نے کہا اور پھر یک بیک اس طرح چونک پڑا جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ اُس کی نظریں فرزانہ کے چہرے پر جم گئیں اور فرزانہ آنکھیں چرانے لگی۔

"آپ صبح غسل خانے گئی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟ جی ہاں....!"

"وہاں اندھیرا رہا ہوگا۔"

"تھا تو.... لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"پانچ بجے سے سات بجے تک آپ کہاں تھیں۔"

"شائد غسل خانے سے واپس آکر میں پھر سو گئی تھی۔"

"یہ آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ غسلخانے گئی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"اس سلسلے میں کوئی خاص بات بھی آپ کو یاد ہے۔"

"خاص بات۔" فرزانہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعتاً اُس نے اپنے دائیں بازو کو ہاتھ سے دبا کر بُرا سامنہ بنایا۔

"کوئی تکلیف....!" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کس چیز نے کاٹ لیا ہے۔" فرزانہ نے آستین سمیٹ لی۔

بازو پر ایک اُبھرا ہوا چھوٹا سا نشان تھا۔ فرزانہ نے اُسے ہولے سے دبایا اور "سی سی" کرنے لگی۔

فریدی نے اٹھ کر اُسے دیکھا اور پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔

"انجکشن کا نشان۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا؟" کرنل شمشاد نے چونک کر کہا۔

"انجکشن کا نشان۔" فریدی نے دوہرایا۔ پھر کرنل کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "ڈاکٹر نے کہاں انجکشن دیا تھا۔"

"پنڈلی میں۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

اب فرزانہ اپنی پنڈلیاں بھی ٹٹولنے لگی تھی۔

"جی ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"تو پھر ان کی وہ کیفیت اسی انجکشن کا نتیجہ تھی، جو بازو پر لگایا گیا ہے۔"

"لیکن کس نے لگایا۔"

"یہ تو محترمہ فرزانہ ہی بتا سکیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" فرزانہ بولی۔

"تب یہ انجکشن غسل خانے ہی میں دیا گیا تھا۔"

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" نواب رشید الزماں بڑبڑائے۔

"کسی کو ہماری آمد گراں گذری ہے۔" فریدی بولا۔

"کسے....!" زاہد کریم چونک کر بولا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ لوگ واپس ہی جائیے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "جب تک حمید صاحب وغیرہ نہیں مل جاتے سب یہیں قیام کریں گے۔"

"مجھے توقع نہیں کہ وہ دونوں زندہ ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ معمولی برف باری نہیں تھی بلکہ برف کا طوفان تھا.... اچھا....!"

فریدی کھڑا ہو گیا۔ "معاف کیجئے گا۔ میں اس وقت زیادہ گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

وہ لوگ خاموشی سے اُس کی شکل دیکھتے رہے کوئی کچھ بولا نہیں۔

فریدی ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ وہ بے چینی سے میجر نصرت کا انتظار کر رہا تھا۔ تین بج گئے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ رات ہونے سے قبل ایک بار اور سیتل گھاٹی کھنگال ڈالی جائے۔

اس نے ان تینوں شکاریوں کو بھی دیکھا، جو ایک میز پر کافی پی رہے تھے۔

بھاری چہرے والے نے فریدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں مخل ہوا۔" فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔ "کیا آپ ہمیں ہمارے ساتھیوں کو ڈھونڈھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"آپ کے ساتھیوں کو کیا ہوا۔" بھاری چہرے والے نے حیرت سے کہا۔

"وہ دونوں غائب ہو گئے.... سیتل گھاٹی میں...." فریدی نے کہا اور پچھلی رات سے اب تک کے سارے واقعات دہرا دیئے۔ لیکن اس نے شب خوابی کے اس لبادہ کا تذکرہ نہیں کیا جو اُسے غار میں ملا تھا۔

"وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔" بھاری چہرے والا آہستہ سے بڑبڑایا۔

"یعنی....!"

"کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ وہ گرومی کے ساتھی تھے۔" شکاری نے کہا۔

"لیکن وہ بھوت۔" فریدی بولا۔

"میں نے آج تک نہیں دیکھے۔" شکاری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "حالانکہ میں نے شکار زیادہ تر رات ہی کو کھیلا ہے۔ البتہ پیروں کے نشانات اکثر دیکھے ہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر شکاری ہی بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دو ساتھی ضائع ہو گئے۔ میرے سینے پر تو ایک دو نہیں اٹھارہ داغ ہیں۔"

"لیکن وہ دونوں آدمی تو ہمیں دیکھ کر بہت زیادہ سہم گئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... آپ اُن کے بل میں گھس تو گئے تھے۔" شکاری بولا۔ "میں دس سال سے جھک مار رہا ہوں لیکن مجھے حسرت ہی رہ گئی کہ ان کی کوئی کمین گاہ مجھے مل سکتی۔"

"برف باری کے اوقات میں آپ لوگ کہاں پناہ لیتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں ایک اچھا سا غار مل گیا ہے۔" بھاری چہرے والے نے کہا اور پھر قاسم اور حمید کی موت پر اظہار افسوس کرنے لگا اور اس کے انداز گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اُن کی موت کا سو فیصدی یقین ہو۔

ساڑھے تین بجے کے قریب میجر نصرت آ گیا۔ فریدی نے اُسے بھی سارے واقعات بتا دیئے۔

میجر نصرت متحیرانہ انداز میں سب کچھ سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "سیتل گھاٹی بڑی مخدوش جگہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے ہی آپ کو اُسکے متعلق کیوں نہیں بتا دیا تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی بولا۔ "اور میں نے شکار کا ارادہ تو قطعی ترک کر دیا تھا لیکن ان بھوتوں کے مسئلے نے مجھے الجھا لیا۔"

"چھوڑیئے! آپ بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ یہ بھی شکاریوں ہی کی حرکت ہے۔ غالباً یہ کوئی ایسی پارٹی ہے جو دوسری پارٹیوں کو سیتل گھاٹی میں شکار کھیلنے سے باز رکھنا چاہتی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے اُن پر لاتعداد فائر کئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"کسی نے لوگوں کو ڈرانے کے لئے یہ ڈرامہ سٹیج کیا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر اُٹھتا ہوا بولا۔ "بہر حال رات ہونے سے قبل ہمیں ایک بار اور وہاں دیکھ لینا چاہئے۔"

پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر سیتل گھاٹی میں ٹیکم گڈھ پولیس فورس کے نوجوان پھیل گئے ایک ایک چپہ چھان مارا گیا۔ شونگلو قوم کے مزدوروں نے برف سے بھرے ہوئے گڑھے کھنگال ڈالے۔ مگر قاسم اور حمید کا سراغ نہ ملا۔ اس پر میجر نصرت تو کافی اداس ہو گیا تھا لیکن فریدی کے ذہن کے تاریک گوشوں میں امید کی کرنیں دوبارہ رینگ آئی تھیں۔

رات ہوتے ہوتے وہ سیتل گھاٹی سے لوٹ آئے۔

اب فریدی نے گرومی کے متعلق معلومات بہم پہنچانی شروع کیں۔ میجر نصرت نے بتایا کہ وہ مشتبہ ضرور ہے لیکن پولیس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میجر نصرت ہی سے اُسے گرومی کی جائے قیام بھی معلوم ہو گئی۔ اُسکے معمولات کے متعلق بھی کچھ باتیں معلوم ہوئیں۔

فریدی نے یہی چاہا تھا کہ اسی وقت اپنے ساتھیوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دے لیکن میجر نصرت نے معذوری ظاہر کی اور یہ معاملہ دوسرے دن پر ٹل گیا۔

میجر نصرت کی روانگی کے بعد فریدی اپنے کمرے میں آیا اور پھر جب آدھ گھنٹہ بعد وہ کمرے سے نکل رہا تھا تو غزالہ سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ غزالہ فریدی کے کمرے میں ایک اجنبی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ فریدی کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی اور چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ وضع قطع سے وہ اب بھی شکاری ہی معلوم ہو رہا تھا۔ رائفل اُس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔

"ڈر گئیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ارے آپ.... یہ کیا؟"

"میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔"

"جی آپ نہیں! آپ نہیں جاسکتے۔" غزالہ نے کہا۔ "جو ہوا سو ہوا۔ اب ہم واپس جائیں گے کل ہی۔"

"صرف آپ لوگ۔" فریدی نے کہا۔ "جب تک اُن کی لاشیں نہ مل جائیں میں انہیں مردہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تو اس طرح کہاں جارہے ہیں۔ شکل کیوں تبدیل کی ہے۔"

"تو بتا کر جائیے.... کہاں جا رہے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"آخر آپ اتنے ضدی کیوں ہیں۔" غزالہ جھنجھلا گئی۔

"میں خود بھی اکثر یہی سوچتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا آپ کمرہ بند کر دیجئے گا۔"

فریدی تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا دوسری راہداری میں مڑ گیا۔ سامنے سے شہناز آ رہی تھی اور اس نے شاید فریدی کو دیکھ لیا تھا۔ غزالہ کے قریب آ کر اس نے پوچھا۔ "یہ کون تھا۔"

"ایک پاگل تھا.... خبطی تھا.... آدمی نہیں تھا۔" غزالہ پیر پٹخ کر بولی۔ اس بیچاری نے سینکڑوں بار اپنے ہوائی قلعوں میں فریدی کو دلیپ کمار بنا کر دیکھا تھا مگر یہ اپنے گوشت و پوست میں ہمیشہ شیخ مختار ثابت ہوا تھا۔ اس وقت بھی اسے توقع تھی کہ وہ اپنے لہجے میں بے اختیاری اور پیار کا انداز پیدا کر کے اس کی جامد حسیات کو متحرک کر سکے گی۔

"میں نہیں سمجھی۔" شہناز نے کہا۔

"اس کمرے میں کون رہتا ہے۔"

"فریدی صاحب۔" شہناز نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید صاحب نے کوئی شرارت فرمائی ہے۔" غزالہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "خواہ مخواہ سب کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔"

شہناز کو غزالہ کا جملہ اتنا گراں نہیں گزرا جتنا کہ لہجہ ناگوار معلوم ہوا۔ اُسے بہر حال حمید سے انسیت تھی اور یہ انسیت نئی نہیں تھی۔ سالہا سال سے وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف تھے لیکن چونکہ دونوں تعلیم یافتہ اور سمجھدار تھے اس لئے انہیں عشق کا روگ نہیں لگا تھا۔

شہناز صرف ہونٹ چبا کر رہ گئی۔ وہ غزالہ کی جھلاہٹ کی وجہ بھی جانتی تھی اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ اس پر طنز کئے بغیر نہ مانتی لیکن آج وہ خود بہت زیادہ پریشان تھی۔

غزالہ نے فریدی کا کمرہ مقفل کیا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

فریدی نے ڈائننگ ہال سے گذرتے وقت محسوس کیا کہ منیجر اُسے تحیر آمیز انداز میں گھور رہا ہے اور اب حقیقتاً اُسے اپنی جلد بازی پر افسوس ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ ہوٹل میں واردات ہو جانے کے بعد سے منیجر ہر ایک پر کڑی نظریں رکھنے لگا تھا۔ ہوٹل کے کمروں سے کسی ایسے

آدمی کا بر آمد ہونا جسے اُس نے داخل ہوتے نہ دیکھا ہو یقیناً ایک حیرت انگیز بات تھی۔

فریدی نے ہوٹل سے نکل کر شہر کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ منیجر اُس کے متعلق ہر ایک سے پوچھتا پھر رہا ہوگا۔ وہ دراصل اس وقت گرومی کی تلاش میں نکلا تھا۔ میجر نصرت نے اس کا حلیہ بھی اُسے معلوم ہو گیا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ گرومی اس وقت شہر کے ایک ایسے ہوٹل میں ملے گا جس میں بار بھی ہے وہ اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اُسے وہاں شکاریوں کی وضع میں نہ جانا چاہئے۔ راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے کہیں کہیں تو گھٹنوں تک پیر برف میں دھنس جاتے تھے۔

سردی شباب پر تھی۔ اون کے استر والے لانگ بوٹ ٹھنڈے لوہے کی طرح پنڈلیوں سے چپکے معلوم ہو رہے تھے۔ مگر فریدی کے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔ حمید کی بازیابی.... اُسے موسم کی اذیت کا احساس نہیں تھا۔

اس نے شہر پہنچ کر رائفل میجر نصرت کے یہاں رکھوادی۔ میجر نصرت گھر پر موجود تھا۔ وہ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑے فریدی کو گھورتا رہا تھا اور پھر جب خود فریدی ہی نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ فریدی کو اُس نے ایک نئی اطلاع دی۔ وہ یہ کہ سیتل گھاٹی میں پولیس کا ایک دستہ تعینات کر دیا گیا ہے۔

وہاں سے فریدی اُس ہوٹل میں آیا جہاں پر گرومی سے ملاقات ہو جانے کی توقع تھی اور پھر اُسے گرومی کو پہچان لینے میں دشواری نہ ہوئی۔ گرومی ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو اپنی شخصیت کے اعتبار سے کسی بھیڑ میں صفر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میجر نصرت نے اس کی خاص نشانی اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ترچھی اور گہری لکیر بتائی تھی، جو بائیں آنکھ کے اوپری حصے سے داہنی کنپٹی تک پھیلی ہوتی تھی۔ یہ غالباً کسی زخم کا نشان تھا۔ عمر ساٹھ سال کے قریب رہی ہوگی لیکن جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے وہ اب بھی کافی مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر گھنی سپید مونچھیں تھیں۔ جنہوں نے نچلے ہونٹ کو بھی ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں پتہ نہیں یہ شراب کا عارضی اثر تھا یا صفراوی مزاج رکھنے والوں کی آنکھوں کی طرح وہ رات کو عموماً سرخ ہی رہا کرتی تھیں۔

وہ اس وقت میز پر تنہا تھا اور اس کے سامنے شامپین کی دو خالی بوتلیں پڑی تھیں اور تیسری آدھی ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں خلاء میں نہ جانے کس چیز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا بایاں شانہ رہ

رہ کر ایک خاص انداز میں جنبش کرنے لگتا تھا اور اسی کے ساتھ ہی اس کی مونچھیں سمٹنے اور پھیلنے لگتی تھیں۔

فریدی قریب ہی ایک میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی دہقان پہلی بار شہر آیا ہو۔

ایک ویٹر لپک کر اُس کے قریب آیا۔

"میں برف ہو گیا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "مجھے کافی چاہئے.... گرم کھولتی ہوئی۔"

ویٹر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا چلا گیا۔ فریدی کو بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً گرومی نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھیک اُسی وقت فریدی کی میز کے قریب سے گزرنے والے کچھ لوگوں میں سے ایک نے اس کی مصنوعی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فریدی یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ وہ کون تھا اور پھر پانچ یا چھ آدمیوں کی وہ پارٹی قہقہے لگاتی ہوئی ایک دروازے میں داخل ہو گئی۔ گرومی کے ہونٹ تحیر آمیز انداز میں ذرا سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ اُس نے اتنی سختی سے دانت پر دانت جمائے کہ جبڑوں کے مسلس اُبھر آئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر صرف مونچھیں رہ گئی تھیں۔

گرومی اپنی جگہ سے اٹھ کر فریدی کے قریب آیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تضحیک آمیز انداز میں آہستہ سے بولا۔ "کیوں دوست.... کون ہو تم۔"

"فرشتہ....!" فریدی بڑے معصومانہ انداز میں مسکرایا۔

"نقلی ڈاڑھی میں۔" گرومی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ ڈاڑھی نہیں گالوں کی پوستین تھی.... آج بڑی ٹھنڈک ہے۔" فریدی اپنی ہتھیلیاں ایک دوسری سے رگڑتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

غار کے بہت تھوڑے حصے میں روشنی تھی۔ سگار لائیٹر کی روشنی ہی کتنی۔

حمید حیران حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر قاسم کہاں تھا۔ آواز تو

قریب ہی کہیں سے آرہی تھی لیکن حمید کا ذہن کچھ اس طرح چکرایا ہوا تھا کہ وہ کئی منٹ تک آواز کی سمت کا اندازہ نہ لگا سکا۔ اس دوران میں وہ لائیٹر کو جلاتا اور بجھاتا رہا۔

وہ جب بھی لائیٹر جلاتا قاسم کی آواز اچانک تیز ہو جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے لائیٹر کا شعلہ اس کے جسم کے کسی حصے سے جالگا اور تکلیف کی وجہ سے اس کی چیخ نکل جاتی ہو۔

بڑی دیر کے بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ آواز نیچے سے آرہی ہے۔ اس بار جیسے ہی اُس نے لائیٹر جلایا اور قاسم کی چیخ نکلی وہ آواز کی سمت چل پڑا اور پھر اس کی نظر ذرا سا بھی چوک جاتی تو وہ ایک گڑھے میں ہوتا۔ اُس نے لائیٹر نیچے کیا۔ گڑھا کیا تھا اچھا خاصا کنواں تھا لیکن گہرائی پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے خاص طور پر پتھر تراش کر بنایا گیا ہو۔ دہانے کا دائرہ اپنی باقاعدگی کے اعتبار سے کسی پرکار کا رہین منت معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے قاسم کو دیکھا جو اُسی گڑھے کی تہہ میں اکڑوں بیٹھا سر گھٹنوں میں دیئے اپنا سفلی عمل دہرا رہا تھا۔ حمید کو ہنسی آگئی۔

"اولمڈھگ....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"ہائیں.... حمید بھائی۔" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے شانے گڑھے کے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پھر اُس نے لائٹر کی روشنی میں اُس گڑھے کا جائزہ لیا اور ہنسنے لگا۔

"لاحول ولا قوۃ.... میں سمجھا تھا شاید بوتل میں بند ہوں۔" قاسم نے کہا اور گڑھے کے اوپر دونوں ہاتھ جما کر باہر آگیا۔

"مگر.... حمید بھائی.... ہم کہاں ہیں۔"

"فریدی صاحب کی سسرال میں۔ مگر خدارا مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ اُن کی شادی کب اور کہاں ہوئی تھی۔"

"کیا رات ہو گئی۔" قاسم نے جماہی لے کر کہا۔

"رات کے بچے ہم کسی غار میں بند کر دیئے گئے ہیں۔"

"تب تو رات مزے میں کٹے گی۔" قاسم دوسری جماہی لیتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں مچھر بکثرت معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید نے لائیٹر بجھا دیا وہی تو اس اندھیرے میں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا اگر اُس کی بھی

اسپرٹ ختم ہو جاتی تو کیا ہوتا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”قاسم اگر ہم اسی غار میں مر گئے تو کیا ہوگا۔“

”حمید بھائی.... مرنے کی بات نہ کرو مجھے رونا آجاتا ہے۔“

”تو پھر یہاں سے کس طرح نکلیں گے مجھے تو کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا۔“

”لیکن ہم یہاں پہنچے کس طرح۔“ قاسم نے کہا۔ ”میں گر پڑا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے مگر حمید بھائی تم بھاگے کیوں تھے۔“

”ختم کرو یہ قصہ.... کچھ سوچو۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”میں بہت دیر سے سوچ رہا ہوں کہ کچھ سوچوں.... مگر....!“

حمید کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”ہم یہاں پہنچے کس طرح۔“

”حمید بھائی مجھے عمل پڑھنے دیجئے ورنہ کوئی مصیبت آجائے گی۔“

حمید نے پھر لائٹر جلایا اور وہ کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ غار کافی کشادہ تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس سے پہلے بھی آدمیوں کی قیام گاہ بنتا رہا ہے۔ اُسے ایک طرف کچھ پھٹے پرانے کپڑے دکھائی دیئے۔ حمید نے انہیں پیر سے پھیلا دیا۔ اُن کے نیچے اُسے دو تین آدھ جلی موم بتیاں ملیں۔ اُس نے انہیں اٹھایا اور نہایت احتیاط سے جیب میں ڈال لیا۔ اُن میں سے ایک روشن کرلی اور سگار لائٹر بجھا دیا۔ موم بتیوں کا ملنا ایک بہت بڑا سہارا تھا۔

”حمید بھائی۔“ قاسم نے سرگوشی کی۔ ”بھوت بھی موم بتیاں جلاتے ہیں۔“

”قاسم! تم زندہ رہنا چاہتے ہو یا مرنا۔“ حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”کک.... کیوں....!“ قاسم اُس کی سنجیدگی پر بوکھلا گیا۔

”اگر مرنا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے.... ورنہ فی الحال بھوت کا خیال دل سے نکال دو۔ اس وقت ہم آدمیوں کی قید میں ہیں۔“

”آدمیوں کی قید میں؟“

”ہاں.... بھوت مومی شمعیں نہیں جلاتے ہیں۔“

”یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔“ قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ ”تب تو حمید بھائی بیٹھو۔“

قاسم بڑے اطمینان سے پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔

''کیوں؟''

''ارے جب آدمیوں نے ہمیں بند کیا ہے تو کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہوگا۔ جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے دیکھ لیا جائے گا۔''

''ہم نہتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''چھوڑو بھی حمید بھائی.... دیکھا جائے گا۔ ویسے بھوک بہت زور سے لگ رہی ہے۔'' قاسم نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ ''نیند بھی آرہی ہے۔''

''تو تم صرف بھوتوں سے ڈر رہے تھے۔''

''اور کیا....!'' قاسم نے کہا۔ ''میں تو دراصل بھوت کے خیال سے پریشان تھا اور آدمیوں میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''آؤ اٹھو باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں۔''

''چلو....!'' قاسم کھڑا ہو گیا۔

''دفعتاً حمید نے پھونک مار کر موم بتی بجھا دی۔''

''کیا ہوا۔'' قاسم نے سرگوشی کی۔

''کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف آجاؤ۔''

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

''یہ کیا تھا۔'' قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

''پتہ نہیں.... چپ چاپ بیٹھے رہو۔''

حمید سوچ رہا تھا کہ وہ آوازیں غار کے باہر کی نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ باہر اب بھی کافی برف ہوگی۔ لیکن اگر غار کے اندر ہی کی آوازیں تھیں تو غار کتنا لمبا چوڑا ہے۔

وہ دوبارہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اُسے پھر کچھ آوازیں سنائی دیں۔

''یہ کیا ہے۔'' قاسم نے پوچھا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آوازیں دور کی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لکڑی کے کسی صندوق میں کیلیں جڑی جا رہی ہیں اور یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اچانک اُسے غار کی ایک اندرونی چٹان پر سرخ سی روشنی دکھائی دی جو رفتہ رفتہ گہری ہو کر پھیلتی جا رہی تھی۔

اب انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ حمید سمجھ گیا کہ کوئی روشنی لے کر آ رہا ہے جس چٹان پر روشنی پڑ رہی تھی غالباً اسی کے سامنے کوئی راستہ تھا۔

قدموں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ پھر چٹان کی اوٹ سے ایک بڑا سا شعلہ باہر کی طرف لپکا۔ قاسم اور حمید اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

دوسرے لمحے چار آدمی اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ دو کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ انہوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں سے چھپا رکھے تھے اور اُن کے جسموں پر لمبی لمبی پوستینیں تھیں۔

وہ چاروں مؤدبانہ انداز میں قاسم اور حمید کے سامنے جھکے۔ قاسم بوکھلا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"معزز مہمانوں سے استدعا کی جاتی ہے کہ طعام تناول فرمالیں۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

حمید بھی سناٹے میں آ گیا۔ اُسے اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ آنے والے انہیں یا تو مار ڈالیں گے یا کسی اذیت میں مبتلا کریں گے۔

"آپ کون ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"فرشتے۔" چاروں نے ایک ساتھ کہا۔

"کبھی بھوت۔" قاسم بڑبڑانے لگا۔ "اور کبھی فرشتے۔ کہیں ہمارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"سنئے جناب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اس طرح کسی آدمی کو قید کر دینا قانوناً بہت بڑا جرم ہے۔"

"قید.... قید سے کیا مطلب۔" اُس نے تحیر آمیز آواز میں کہا۔

"مطلب پولیس بتائے گی۔"

"پولیس.... یہ کیا چیز ہے۔" اس بار بھی اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

اچانک اُن میں سے ایک دوسرا آدمی بولا۔ "کہیں یہ لوگ خود کو دنیا میں تو نہیں سمجھ رہے ہیں۔"

"ضرور یہی بات ہے۔" پہلے نے سر ہلا کر کہا اور قاسم کے منہ سے ایک لمبی سی "ہائیں" نکل رہ گئی۔

"سنو....!" حمید جھلا کر بولا۔ "ہماری رائفلیں اور ریوالور ہمیں واپس دے دو۔ پھر ہمارا مضحکہ اڑاؤ۔ نہتوں کے منہ پر تھوکنا بہادری نہیں ہے۔"

"ارے یہ سچ مچ خود کو دنیا میں محسوس کر رہے ہیں۔" ایک مشعل بردار بولا۔

وہ چاروں بھی بظاہر نہتے ہی تھے۔ حمید نے قاسم کو اشارہ کیا۔

"دیکھئے.... یہ سب بیکار ہے۔" ایک بولا۔ "یہ دنیا نہیں ہے۔ لباڑگی سے کام نہیں چلے گا۔ شرافت سے چلئے اور کھانا کھالیجئے کیونکہ ابھی آپ دونوں کے تابوت بھی تیار کرنے ہیں۔"

"تابوت.... یعنی.... کک....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"دفعتاً حمید کے چہرے پر نرماہٹ دوڑ گئی اور اس نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ "چلئے۔"

قاسم لاکھ احمق سہی لیکن اسے حمید کے رویئے میں بے ساختہ قسم کی تبدیلی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔

پھر وہ ایک سرنگ نما راستے سے گزر رہے تھے۔ دونوں مشعل بردار حمید اور قاسم کے آگے تھے اور دو آدمی اُن کے پیچھے چل رہے تھے۔ سرنگ زیادہ کشادہ نہیں تھی اس لئے قاسم کو جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔

مشعلوں میں جلنے والا ایندھن شائد کسی چیز کی چربی میں ڈبویا گیا تھا۔ جس کی چراندھ سے کم از کم حمید کا دم الٹنے لگا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک کافی کشادہ غار میں پہنچ گئے۔ یہ غار سو فیصدی انسانی کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا فرش مسطح تھا اور چاروں طرف کی چٹانوں کو اتنی خوش سلیقگی سے تراشا گیا تھا کہ وہ کسی عمارت کی دیواریں معلوم ہو رہی تھیں۔ چھت میں اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی۔ جابجا موی شمعیں جل رہی تھیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ فرعون کی قبر میں گھس آیا ہو۔

یہاں بظاہر کسی طرف سے بھی ہوا آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی شمعوں کی لویں تھرتھرا رہی تھیں اور گھٹن کا احساس بھی نہیں تھا۔

قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ ڈری ڈری سی آواز میں بڑبڑایا۔

"حمید بھائی۔"

حمید بھائی کچھ نہ بولے کیونکہ انہیں بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں چارو
طرف کفن میں لگائے جانے والے عطر اور کافور کی ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی ہو۔

"آپ لوگوں کے تابوت...." ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا۔ "ایسے فرسٹ کلاس ؛
کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو جائے گی۔ ان کے اندر اسپرنگ دار گدے لگائے گئے ہیں۔"

"تو ہماری روحیں ابھی قبض نہیں کی گئیں۔" حمید نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"کیا مطلب....!" قاسم اچھل پڑا۔

چاروں ہنس پڑے۔

دفعتاً قاسم کی نظر دستر خوان پر پڑی، جو ایک کونے میں بچھا ہوا تھا اور جس پر قابیں اور ...
چنی ہوئی تھیں۔ وہ اس قبرستانی ماحول کو بھلا کر کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔

"آیئے! کھانا حاضر ہے۔" ایک نے کہا۔ "فضول باتوں میں وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔"

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا قاسم دستر خوان پر جم گیا۔ پھر اس نے ہانک لگائی۔

"آؤ.... آؤ حمید بھائی۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو بیٹھ جاؤ۔" ایک آدمی نے حمید کی گردن میں ہاتھ دے کر دستر خوان کی طرف دھ
دیا۔ حمید پلٹ پڑا ایسے مواقع پر اس کا ہاتھ کبھی غلط نہیں پڑتا تھا۔ دھکا دینے والا دوسری طرف کی
دیوار سے جا ٹکرایا۔ حمید دوسرے پر ٹوٹ پڑا۔

بات اب قاسم کی سمجھ میں آئی وہ شور مچاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چاروں حمید پر پل پڑے تھے۔
قاسم نے ایک کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ ایک ٹانگ پر اچھلنے لگا۔ اب اس نے اس کو بازوؤں سے پکڑ کر سر
سے بلند کیا اور اس کے ایک ساتھی پر پٹخ دیا۔ دونوں بیک وقت ڈھیر ہو گئے۔

بقیہ دو آدمی حمید کو چھوڑ کر قاسم سے لپٹ پڑے اور پھر تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے بعد
ان کی گردنیں بھی اس کے بازوؤں میں آگئیں۔

"حمید بھائی۔" قاسم چیخا۔ "تم جلدی سے کھالو۔ پھر انہیں پکڑو تو میں بھی کھالوں۔"

"ارے! خدا تمہیں غارت کرے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کھانے کے بچے نکلو یہاں سے جلدی۔"

"بھوک میں چلا نہ جائے گا۔" قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

اس کے دونوں شکار اس کے بازوؤں میں پھنسے ہوئے بُری طرح مچل رہے تھے اور قاسم ان طرف سے اس طرح بے پرواہ نظر آرہا تھا جیسے اس نے دو شریر بچوں کو قابو میں کر لیا ہو۔

"ان دونوں کے سر لڑاؤ اور نکل چلو۔ شاباش۔" حمید نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

قاسم نے ایک کے سر پر اپنا سر دے مارا اور وہ چیخ مار کر کسی چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر پڑا۔ پھر وہ دوسرے کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کرنے جارہا تھا کہ خود اس کے منہ سے ڈری ڈری چیخیں نکلنے لگیں۔

دروازے میں برف کا بھوت کھڑا تھا۔ مومی شمعوں کی روشنی میں اس کا سفید جسم بڑا خوف لگ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا ایک ہاتھ ان دونوں کی طرف بڑھایا اور اس عمارت نما غار میں ـ کے ذرات اڑنے لگے۔ قاسم کی آخری چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے شہتیر کی ح دھم سے زمین پر آرہا۔ حمید دیوار سے لگا سہا کھڑا تھا۔ مومی شمعیں گل ہو گئیں اور برف کے ذرات حمید کے چہرے سے ٹکراتے رہے۔ آخر اس کا بھی وہی حشر ہوا جو قاسم کا ہوا تھا۔

گرومی

گرومی فریدی کو گھورتا رہا اور فریدی سوچ رہا تھا کہ شائد یہ ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے اور ں کا سارا عملہ اس کے ہاتھ میں ہے ورنہ کسی دوسرے آدمی کو اس کی مصنوعی ڈاڑھی نوچنے کی ت کیسے ہوتی۔

فریدی نے بڑی بے پروائی سے چاروں طرف دیکھا اور اپنے گالوں کے بچے کھچے بال صاف کے بڑبڑانے لگا۔ "یہ لڑکا کہاں مر گیا۔ کتنی سردی ہے۔"

اس کی مونچھیں اب بھی برقرار تھیں۔

گرومی کرسی گھسیٹ کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کون ہو تم؟" اس بار اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اپنا کام کرو۔"

"تم بچ کر نہیں جاسکو گے۔" گرومی کی سرخ سرخ آنکھوں سے لویں سی نکلتی معلوم ہونے لگیں۔

"کیوں؟" فریدی اپنی داہنی بھنوئیں تیکھے انداز میں تان کر بولا۔

گرومی جواب دینے کی بجائے اُسے گھورنے لگا۔

"سنو دوست۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "اگر ڈاڑھی اکھاڑنے والا تمہارا ہی آدمی تھا تو میں تمہیں حشر تک معاف نہ کروں گا۔"

"ہونہہ.....!" پہلے گرومی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر یہ مسکراہٹ بتدریج ہنسی اور ہنسی قہقہے میں تبدیل ہوتی گئی۔

فریدی خاموشی سے گھورتا رہا۔ لیکن انداز میں خوف کی بجائے شوخی تھی۔

ویٹر کافی کی ٹرے لایا لیکن میز پر ڈاڑھی والے کو نہ پاکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" گرومی نے اُسے مخاطب کیا۔

"وہ ڈاڑھی والا کدھر ہوتا! سالا ہڑم ہو گیا۔" ویٹر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو ایک ہی بات ہے۔" گرومی نے کہا۔ "اسے یہاں رکھ دو اور میری بوتلیں بھی یہیں اٹھالاؤ۔"

گرومی کے اس رویہ پر فریدی کو اپنا پہلا خیال ترک کر دینا پڑا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ گرومی کی حیثیت یہاں ایک معزز گاہک سے زیادہ نہیں۔

"اس شرافت کا شکریہ۔" فریدی کافی انڈیلتا ہوا مسکرا کر بولا۔

گرومی کچھ نہ بولا۔ اس کی بوتلیں بھی اسی میز پر آگئیں۔ اس نے خالی بوتلوں کو بڑے سلیقے سے اپنے سامنے رکھ لیا اور چوتھی بوتل سے گلاس میں انڈیلنے لگا۔

"تم یہ نہ سمجھنا کہ میرے فولادی پنجوں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" گرومی شامپین کا گلاس ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک کر بڑبڑایا۔

"اپنی خیر مناؤ۔" فریدی نے اسی انداز میں کہا۔ "تمہارے آدمی نے میری ڈاڑھی اکھاڑ کر اچھا نہیں کیا۔"

"وہ میرا آدمی نہیں تھا۔" گرومی جھنجلا کر بولا۔ "میں اُسے نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" فریدی نے بڑے توہین آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا؟" گرومی غرایا۔ وہ اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے اپنے گلاس کی شرا

ی کے چہرے پر الٹ دی۔

فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور قبل اس کے کہ گرومی بھی اپنی کرسی چھوڑتا اس نے میز الٹ ۔ وہ کرسی اور میز سمیت فرش پر جا رہا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے لیکن ان کی توجہ ری سے زیادہ گرومی کی طرف تھی۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ وہ لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا دروازے سے باہر نکل ۔ لیکن اس نے وہاں سے چلا جانا مناسب نہ سمجھا۔

یہ ہوٹل شہر کے ایک بھرے پُرے حصے میں تھا لیکن اس وقت وہاں قبرستان کا سا سناٹا تھا۔ لوں پر آمد و رفت زیادہ نہیں تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ آدمی برف میں لڑکھڑاتے نظر آ جاتے ۔ مکانات کی کھڑکیوں کے شیشوں تک پر دبیز پردے کھینچ دیئے گئے تھے۔ چاروں طرف یکی کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے زندگی بھی ٹھٹھر کر ساکت ہو گئی ہو۔

فریدی تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ایک مکان کی پشت پر آیا اور اپنی مصنوعی مونچھیں الگ یں۔ سر سے بال دار ٹوپی اتار کر اُسے الٹ لیا۔ بال پیشانی پر بکھر کر الٹی ٹوپی سر پر منڈھ لی۔ رہ پوستین۔ تو وہ ایک عام وضع کی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے سینکڑوں افراد کے پاس ویسی ہی پوستین رہی ہو گی۔

اور پھر جب وہ روشنی میں آیا تو گرومی بھی اُسے نہ پہچان سکا۔ فریدی کے قدم لڑکھڑا رہے ۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ ہوٹل کے باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے دیکھا اور ہنسنے لگے۔ کیونکہ اس نے اپنی ٹوپی کا استر اوپر کر رکھا تھا۔

گرومی کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اب تنہا نہیں ہے۔ اس کے آدمی اور تھے۔ فریدی بھی ان کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں مل گیا۔

"گیا کدھر....؟" گرومی کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا۔

"میں نے نہیں دیکھا۔ آؤ چلیں۔" گرومی نے کہا اور تینوں ایک طرف چلنے لگے۔ بقیہ لوگ ہوٹل میں چلے گئے۔ فریدی وہیں دیوار سے لگا کھڑا انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ کافی دور نکل تو وہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

اسے زیادہ دیر تک نہیں چلنا پڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے انہیں ایک بڑے مکان میں ل ہوتے دیکھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی اس مکان کی چھت پر تھا۔ لیکن اسے جلد ہی اپنی حماقت پر
آنے لگا۔ مکان میں کوئی صحن نہیں تھا اس لئے اندر داخل ہونے کے امکانات کا سوال ہی
تھا۔ البتہ فریدی نے آتش دان کی چمنیوں کی تعداد سے مکان کے کمروں کی تعداد کا اندازہ ضر
لگالیا۔ جب وہ ایک چمنی کے قریب سے گزر رہا تھا تو اسے کچھ آوازیں سنائی دیں جن میں سے
نے گرومی کی آواز صاف پہچان لی۔

اس نے رک کر اپنے کان چمنی سے لگا دیئے۔

"تم میں سے کون تھا جس نے اُس کی ڈاڑھی اکھاڑی تھی؟" گرومی کی غراہٹ سنائی دی۔

کئی سیکنڈ تک دوسری آواز نہ آئی۔

"بولو.... کیا تم بہرے ہو۔" گرومی ہی بولا۔

"کوئی نہیں.... ہم میں سے کوئی نہیں تھا۔" کئی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

"کوئی باہر تو نہیں۔"

"کوئی بھی نہیں.... سب موجود ہیں۔"

"لیکن کیوں موجود ہیں۔" گرومی حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تمہارا اس وقت یہاں کیا کام۔"

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر ایک آواز سنائی دی۔ "سیتل گھاٹی میں پولیس کا پہرہ ہے۔"

"ہم نے سوچا.... سیتل گھاٹی۔"

"کچھ نہیں۔" گرومی نے چیخ کر بولنے والے کی بات کاٹ دی۔ "کام نہ رکنا چاہئے۔ میں
نہیں جانتا.... چلے جاؤ.... نکلو.... دنیا کے سارے گدھے میرے ہی پلے پڑے ہیں۔"

چند لمحوں کے بعد فریدی نے بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

وہ چمنی کے قریب سے ہٹ کر چھت کے کنارے آگیا۔

نیچے کچھ لوگ مکان سے نکل رہے تھے۔ یہ تعداد میں گیارہ تھے۔ فریدی انہیں اس و
تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نشیب میں نہیں اُتر گئے۔

پھر وہ بھی چپکے سے اُترا اور اُن کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ تعاقب کا مقصد محض یہ دیکھنا تھا کہ
لوگ کدھر جاتے ہیں۔

لیکن وہ سیتل گھاٹی کی طرف نہیں جارہے تھے۔ فریدی کافی دیر تک ان کے پیچھے پھرتا

. متوقع واقعہ پیش نہیں آیا۔ بس وہ بستی کے باہر اکادکا لومڑیوں کو شکار کرتے رہے۔ فریدی کو نع تھی کہ وہ ان کے ذریعہ حمید اور قاسم کا سراغ پا سکے گا۔ وہ ان کی شکلیں بھی دیکھنا چاہتا تھا . اندھیرے میں یہ بات ناممکن تھی۔ اس کے ذہن میں ان دونوں شکاریوں کی صورتیں محفوظ . جن سے سیتل گھاٹی کے ایک غار میں مڈبھیڑ ہوئی تھی اور جو آخر کار انہیں جل دے کر ف نکل گئے تھے۔ اگر وہ دونوں واقعی گرومی ہی کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے تو پھر حمید اور قاسم پالینا مشکل نہ ہوگا۔ فریدی کو یقین تھا کہ اس غار میں پیش آنے والے واقعات کے ذمہ دار وہی نوں شکاری تھے۔

فریدی انہیں شکار میں مشغول چھوڑ کر پھر مکان کی طرف پلٹا جہاں گرومی تھا۔ بارہ بج چکے اور سناٹے میں لومڑیوں کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ کبھی کبھی ایک ہ فائر کی آواز بھی فضا میں لہرا کر رہ جاتی۔

گرومی کے مکان کی کھڑکیوں میں اب بھی روشنی نظر آرہی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ ومی تنہا ہے۔ وہ اب بھی ایک کمرے میں بیٹھا شراب پی رہا تھا اور خالی بوتلیں اس نے بڑے یے سے اپنے سامنے سجا رکھی تھیں۔

فریدی سوچنے لگا کہ کہیں قاسم اور حمید اسی مکان میں نہ ہوں۔ اس نے مکان کے آخری ے کی ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا۔ اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی گرائی اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔

یہاں سات چھوٹے چھوٹے کمرے تھے، جو ایک کے علاوہ سارے خالی نظر آرہے تھے اور ب کمرے میں گرومی اپنی خالی اور بھری بوتلوں کے ساتھ تنہا تھا۔

فریدی پورے مکان کا چکر کاٹ کر گرومی کے کمرے کے سامنے رک گیا۔ مکان میں اُسے ئی ایسی چیز نہ مل سکی جو قانوناً قابل گرفت ہوتی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بڑی بے باکی سے گرومی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ گرومی کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ قبل اس کے کہ اس ہاتھ جیب کی طرف جاتا، فریدی نے ریوالور نکال لیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لو۔" فریدی نے کہا۔

گرومی نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ فریدی کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ گرومی ہوٹل ں بھی پیتا رہا تھا اور اب بھی پی رہا تھا لیکن اس کی ظاہری حالت سے ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا

تھا کہ وہ بہت زیادہ پی گیا ہے۔ فریدی کے داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر تحیر کے آثار ضرا
پیدا ہوئے تھے لیکن اب وہ بالکل پر سکون نظر آ رہا تھا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے بڑے ملائم لہجے میں پوچھا۔

"وہی جس کے منہ پر تم نے شراب پھینکی تھی۔" فریدی نے کہا۔

گرومی نے میز پر زور دے کر اٹھنا چاہا۔

"تکلیف نہ کرو۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میں بہت پُر امن آدمی ہوں۔ لیکن ب
دیئے جانے پر خونخوار بھی ہو جاتا ہوں۔ تمہیں میرے دونوں ساتھیوں کا پتہ بتانا پڑے گا۔"

"ساتھیوں کا پتہ.... کیسے ساتھی۔"

"گرومی میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"آدمی نہیں.... بچے ہو۔" گرومی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس شامپین کی چ
پیٹیاں ہیں.... کچھ ملاؤ گے یا سادی پیئو گے۔ میں تو ہمیشہ سادی پیتا ہوں۔"

"میرے دونوں ساتھی کہاں ہیں۔"

"سنو....!" گرومی اپنا نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "گرومی کا بڑھاپا بھی خطرناک ہے۔ تم اپنا ا
مطلب بیان کر جاؤ۔ تم شائد مجھے تنہا سمجھ رہے ہو۔"

"مجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "اور نہ میری تمہاری
پہلے کی لڑائی ہے۔ میں تو صرف اپنے ساتھیوں کی واپسی چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ
گھاٹی پر تمہارا اجارہ نہیں ہے۔"

"بیٹھ جاؤ نوجوان۔" گرومی کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو۔ گرومی بچپن،
سے ان کھلونوں کا شائق رہا ہے۔ کیا تم غرتاش کے ساتھی نہیں ہو۔"

"غرتاش!" فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔"

"تب پھر میرا تمہارا کیا واسطہ۔"

"اگر واسطہ نہیں تھا تو تمہارے کسی ساتھی نے میری ڈاڑھی کیوں اکھاڑی۔"

"غلط ہے وہ میرا ساتھی نہیں تھا۔"

"اگر نہیں تھا تو تم خواہ مخواہ مجھ سے کیوں آ بھڑے تھے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''میرے بچے! بیٹھ جاؤ۔'' گرومی نے بوتل سے شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔''اب میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ تم شائد ان شکاریوں میں سے ہو جو فزارو میں ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔''

''ٹھیک سمجھ رہے ہو۔'' فریدی نے کہا۔''لیکن مجھ پر کوئی فقرہ نہ چل سکے گا۔ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر ہی جاؤں گا۔''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔میں تمہارے ساتھیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن غرتاش....!'' گرومی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ چند لمحے اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی سلوٹیں پڑی رہیں پھر وہ آہستہ سے بولا۔''تم صرف دو ساتھیوں کے لئے پھر رہے ہو۔ میں نے دس سال میں ساٹھ ستر کھوئے ہیں اور اس طرح کہ صرف آٹھ یا دس لاشیں مل سکی تھیں۔''

فریدی اُسے تیز نظروں سے گھور تا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔''تو کیا وہ دونوں تمہارے ساتھیوں میں سے نہیں تھے، جو ہمیں سیتل گھاٹی کے ایک غار میں ملے تھے۔''

''مجھے علم ہے! وہ میرے ہی آدمی تھے۔ انہوں نے تمہیں غرتاش کی پارٹی کا آدمی سمجھا تھا۔''

''اسی لئے وہ ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔''اور اسی لئے انہوں نے میرے دو ساتھیوں کو کسی طرح پکڑ لیا۔''

''میں نہیں جانتا کہ تمہاری غلط فہمی کس طرح رفع ہوگی۔'' گرومی آہستہ سے بڑبڑایا اور گلاس سے منہ لگالیا۔

''اور وہ سفید بھوت۔'' فریدی کے لہجے میں طنز تھی۔''ان کے متعلق کیا کہو گے۔''

''مجھے ان کی ذرہ برابر پرواہ نہیں سمجھے۔'' گرومی میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

''بہت خوب۔'' فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔''گرومی صاحب! کسی پیشہ ور شکاری سے تمہاری گفتگو نہیں ہو رہی ہے۔''

''تم بڑی دیر سے میری توہین کر رہے ہو۔'' گرومی چیخ کر بولا۔''چلے جاؤ یہاں سے۔''

''میں اپنے ساتھیوں کو لے کر جاؤں گا۔'' فریدی نے آہستہ سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں جانتا۔'' گرومی نے اپنے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا اور میز پر رکھی ہوئی خالی بوتلیں

فرش پر گر کر ٹوٹ گئیں۔ فریدی کی حالت میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

"اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔"کیا وہ فزارو سے اغواء کی ہوئی لڑکی کا نہیں تھا۔"

"بند کرو یہ بکواس ورنہ منہ توڑ دوں گا۔"گرومی چیخ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں فریدی پر گویا انگارے برسا رہی تھیں۔

"بیٹھے رہو! ورنہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔" فریدی نے کہا۔"اگر یقین نہ ہو تو دیکھو۔" ساتھ ہی اس نے کمرے میں روشن مومی شمعوں میں سے ایک پر فائر کیا۔ گولی اس کی لو پر پڑی اور وہ بجھ گئی لیکن اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

"بہت اچھے۔"گرومی نے متحیرانہ لہجے میں تعریف کی۔"واقعی تم بے مثال نشانہ باز ہو مگر .... اچھے لڑکے میں تمہارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔"

دفعتاً گرومی کی آواز گلوگیر ہو گئی اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔

"وہ میری لڑکی کا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔"میں اسے تین سال سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہوں۔ ٹھہرو میں اسے لاتا ہوں۔"

"میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔"فریدی نے کہا۔

"آؤ۔"گرومی نے لاپروائی سے کہا۔

فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

ایک کمرے میں آکر گرومی نے ایک صندوق کھولا اور پھر شب خوابی کا ایک لبادہ نکال کر فریدی کے سامنے کر دیا۔ نظر پڑتے ہی فریدی نے اُسے پہچان لیا۔ حقیقتاً یہ وہی لبادہ تھا، جو اس نے سیتل گھاٹی کے ایک غار میں دیکھا تھا۔

"اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ یہ لبادہ فزارو والی لڑکی کا ہے تو میں خودکشی کر لوں گا۔"گرومی غم ناک لہجے میں بولا۔

"خیر اس کی بھی شناخت ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔"مجھے صرف اپنے ساتھیوں کی واپسی سے غرض ہے۔"

"ہونہہ۔"گرومی بڑے کھردرے لہجے میں بولا۔"اگر لاشوں کی صورت میں واپسی ہو گئی تو

تب بھی غنیمت ہے ورنہ سیتل گھاٹی میں لاپتہ ہو جانے والے شائد قیامت ہی میں مل سکیں۔"

دفعتاً ایک نئے خیال نے فریدی کے ذہن میں سر اُبھارا۔

"یہ غرتاش کون ہے۔" اس نے پوچھا۔

'غرتاش! تم غرتاش کو نہیں جانتے۔ کیوں کیا وہ فزارو میں مقیم نہیں ہے۔"

"فزارو میں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ بھاری چہرے والا تو نہیں۔"

"وہی ہے وہی ہے۔" گرومی سر ہلا کر بولا "اور مجھے یقین ہے کہ اسی نے تمہیں میرا پتہ بتایا ہو گا۔ اب میں بالکل سمجھ گیا۔ وہ ہمیں لڑا کر خود اطمینان سے سیتل گھاٹی میں شکار کھیلنا چاہتا ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ تمہارے آدمیوں کو غائب کر دینے میں اسی کا ہاتھ ہو۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا تم نے اس کے کئی آدمیوں کو نہیں مار ڈالا۔"

"وہ جھوٹا ہے.... مکار ہے۔ ہم قاتل نہیں ہیں۔ لیکن غرتاش جب بھی میرے ہتھے چڑھ گیا میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"کیوں؟"

"پوچھتے ہو کیوں! میں تین سال سے اپنی لڑکی کا ماتم کر رہا ہوں۔ مجھے اس کی لاش بھی نہیں ملی۔ یہ لبادہ سیتل گھاٹی کے ایک غار میں ملا تھا۔"

"کیا اسے اغواء کیا گیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... اور میں...." گرومی اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ فریدی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور اسے سہارا دے کر اسی کمرے میں لایا جہاں وہ اس سے پہلے تھے۔

پھر اس نے ایک گلاس لبریز کر کے گرومی کی طرف سرکا دیا۔

"گرومی! مجھے افسوس ہے۔" وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اب میں سب کچھ سمجھ گیا۔ خیر دیکھ لیا جائے گا۔"

گرومی خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں دس سال سے یہاں شکار کھیل رہا ہوں۔ لیکن یہ بھوت پہلی بار دکھائی دیئے ہیں۔

میرے ایک دلیر ساتھی نے اس پر فائر بھی کئے تھے لیکن وہ خود دوسرے دن تیز قسم کے بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اب ہم ادھر جاتے ہی نہیں جدھر وہ دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے تم لوگوں نے بھی ان پر فائر کئے تھے۔"

حیرت انگیز سفر

حمید کی آنکھ کھلی تو پھر اُسی اندھیرے سے واسطہ پڑا۔ لیکن اس بار وہ خود اس اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑنے کے بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ سچ مچ قبر میں لیٹا ہوا ہے اور وہ قبر حرکت کر رہی ہے اور اس کی اونچائی اتنی بھی نہیں ہے کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکے۔

اُس نے گھبرا کر دو تین بار کلمہ پڑھا اور اپنے دنیاوی اعمال یاد کر کے رو دینے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک تیسری بات اس کی سمجھ میں آئی یعنی وہ قبر کمبل کی تھی اور اسے کچھ کچھ روشنی کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ اس نے قبر کی چھت کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ حقیقتاً کمبل ہی تھا، جو اس کی قبر پر منڈھا ہوا تھا۔

اب جو اس نے غور کیا تو اُسے بہت سے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

تو کیا وہ اس کا جنازہ تھا؟ اس خیال سے پھر حمید کی گھگھی بندھ گئی۔

مگر جنازے پر کمبل؟ وہ پھر سوچنے لگا۔ شائد سردیوں میں یہی ہوتا ہو۔

"میں زندہ ہوں.... بھائی۔" اس نے ہانک لگائی۔ "ارے.... بھا.... آ.... ئی۔"

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" کسی نے گرج کر کہا۔ "تم مر گئے ہو۔"

"ارے حمید بھائی۔" حمید نے قاسم کی آواز سنی جو باقاعدہ رو رہا تھا۔ "ہم مر گئے ہیں۔ ہائے اب کیا ہوگا۔ مرنے کے بعد.... بھوک بھی تو خوب کھل جاتی ہے۔ مگر مرنے کے بعد پھر موت نہیں آتی۔"

حمید نے خوب اچھی طرح اپنی آنکھیں ملیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر احتیاطاً اُس نے خود اپنے ہی اتنے زور سے چٹکی لی کہ آنکھیں نکل پڑیں۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ وہ

خواب نہیں دیکھ رہا ہے تو اُس نے کروٹ لی اور اس سے اُسے یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ وہ کینواس کے ایک اسٹریچر پر لیٹا ہوا ہے جس پر بانس کی قمچیاں لگا کر کمبل ڈال دیا گیا ہے۔ اُس نے کمبل کا کونا ذرا سا اٹھا کر باہر کی طرف دیکھا۔ اسے کئی مسلح آدمی نظر آئے جو اس کے اسٹریچر سے کچھ دور ہٹ کر چل رہے تھے اور خود اس کا اسٹریچر شائد چار آدمیوں کے کاندھوں پر تھا۔

''ارے کمینو! مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔'' حمید نے ایک سریلی قسم کی نسوانی آواز سنی۔

''ہائیں.... ارے.... ہو۔'' اس نے قاسم کی آواز سنی۔

''آپ لوگ جنت میں جا رہے ہیں۔'' کسی نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

''وہاں باورچی خانہ بھی ہے یا نہیں۔'' قاسم نے غالباً اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

''اوہ تو کیا آپ بھوکے ہیں۔'' کسی نے پوچھا۔

''اب مرنے کے بعد کیا جھوٹ بولوں گا۔'' قاسم بگڑ گیا۔

''چلو بھئی تابوت زمین پر رکھ دو۔'' آواز آئی۔

حمید کا تابوت بھی زمین پر رکھ دیا گیا۔ کمبل ہٹایا گیا.... قمچیاں نکالی گئیں حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پندرہ بیس مسلح آدمیوں کے ساتھ تین تابوت تھے۔

تیسرے تابوت پر نظر پڑتے ہی حمید کی عاقبت روشن ہو گئی۔ اس میں ایک بڑی خوبصورت لڑکی تھی جو شائد خوف کی وجہ سے اور زیادہ خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ قاسم بھی اپنے تابوت پر پالتھی مارے بیٹھا اُسی کو گھور رہا تھا اور اس کا تابوت اٹھانے والے آٹھ آدمی اس طرح ہانپ رہے تھے جیسے اُن کا دم نکلنے والا ہو۔

یہ بھی کوئی پہاڑی ہی علاقہ تھا لیکن یہاں کہیں برف نہیں نظر آ رہی تھی۔ دور تک بھورے رنگ کی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سورج شائد سر پر تھا۔

قاسم کے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ حمید کو بھی محروم نہ رکھا گیا۔ لیکن وہ لڑکی کھانے پر رضا مند نہیں معلوم ہوتی تھی۔ قاسم نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ اُس کے سامنے ایک مسلم بھیڑ کا بچہ بھنا رکھا تھا۔

''حمید بھائی۔'' وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ ''مجھے تو موت اور زندگی میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔''

''فرق اور فتور تو دراصل تمہاری کھوپڑی میں ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کا رویہ اُن کے ساتھ بُرا نہیں تھا۔ آخر وہ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔ غار میں بھی انہوں نے ان کے ساتھ خود سے کوئی بدسلوکی نہیں کی تھی حالانکہ وہ چاہتے تو انہیں بڑی آسانی سے مار ڈالتے۔ حمید نے کنکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کھانا اُس کے سامنے بھی تھا۔ لیکن اُس نے اُسے ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔ دفعتاً اُسے فزارو کی اغواء والی بات یاد آ گئی۔ پھر ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات..... کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں ہے جسے فزارو سے بھگایا گیا تھا۔ سیتل گھاٹی میں بھوتوں کی موجودگی۔

یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ رات کو اُس بھوت کی آمد پر چاروں طرف سے بند غار میں برف کے ذرات کہاں سے آ گئے تھے۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ذرات اُس بھوت کے جسم میں سے نکلے تھے اور رفتہ رفتہ اُن کی مقدار اتنی بڑھ گئی تھی کہ حمید کا دم گھٹنے لگا تھا۔

اگر وہ بھوت دراصل آدمی ہی تھا تو اُس کے ہاتھ اٹھاتے ہی برف کے ذرات کس طرح اڑنے لگے تھے اور اگر وہ واقعی کوئی مافوق الفطرت ہستی ہی تھا تو ان آدمیوں سے اُس کا کیا تعلق۔

حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس کے ہمراہی کافی مہذب اور مہمان نواز تھے۔ حمید نے ایک بات اور محسوس کی۔ ان میں سے صرف چار آدمی گفتگو کر رہے تھے بقیہ خاموش تھے اور وہ لوگ جو زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ اکثر آپس میں کسی ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگتے تھے جو حمید کے لئے نئی تھی۔ حمید نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ چاروں اردو بولنے والے تو وہی تھے جنہوں نے ان دونوں کو ایک غار سے نکال کر دوسرے غار تک پہنچایا تھا۔

اُس نے کنکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ چاروں آدمی بڑے مہذب طریقے پر اُس سے کھانا کھا لینے کی استدعا کر رہے تھے۔

قاسم بھیڑ کا گوشت نوچنے میں منہمک ہو گیا تھا۔

"ذرا ہاتھ روک کر۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"پتہ نہیں پھر کب ملے۔" قاسم مایوسی سے بولا۔

"گھبرائیے نہیں۔" چاروں میں سے ایک نے کہا۔ "ہمارے پاس کافی ذخیرہ ہے۔"

"تو کیا ہم سچ مچ مر گئے ہیں۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن آپ کو کچھ دور پیدل چلنا پڑے گا۔ ہمارے آدمیوں میں اتنی سکت نہیں۔"

"تب تو پھر بڑی جلدی بھوک لگ جائے گی۔" قاسم نے اداس لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کیجئے۔ کھانے کا سامان بہت ہے۔"

"یہ کیا مذاق ہے۔" دفعتاً لڑکی چیخی۔ "میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"کیا یہ بھی مر گئی ہے۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" ساتھی نے جواب دیا۔

"تو کیا مرنے کے بعد بھی آدمی پاگل ہو سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں۔" ہمراہی نے کہا اور پھر حمید سے پوچھا۔ "کچھ اور چاہیئے۔"

"جی ہاں! تھوڑی سی افیون تاکہ میں اپنی موت سے اچھی طرح محظوظ ہو سکوں۔ ویسے کیا آپ بتا سکیں گے کہ ہنالولو کس عرض البلد پر ہے اور نیو فاؤنڈ لینڈ پر سال بھر کہر کیوں پڑتی رہتی ہے۔"

"میں بتا سکتا ہوں۔" قاسم اپنی چھاتی ٹھونکتا ہوا بولا۔ "نیو فاؤنڈ لینڈ پر کہر نہیں بلکہ باورچی خانوں کا دھواں چھایا رہتا ہے۔ وہاں کے لوگ کھانے پکانے کے بہت شائق ہیں۔"

لڑکی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ بھی کھا لیجئے نا۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں بھی آپ ہی کی طرح آدمی ہوں اور میری موت سیتل گھاٹی میں واقع ہوئی تھی شائد آپ کا انتقال فزارو میں ہوا تھا۔"

"جی ہاں! میں فزارو ہی میں تھی۔ لیکن یہ سب بکواس ہے۔ یہ لوگ نہ جانے کون ہیں اور ہمیں نہ معلوم کہاں لے جا رہے ہیں۔"

"ہم جنت میں جا رہے ہیں حمید بھائی۔" قاسم نے کہا۔

"چپ رہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"ہائیں! مجھے ڈانٹتے ہو۔ اٹھا کر پٹخ دوں گا۔" قاسم کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے جانتے ہو یا نہیں۔" حمید کی بھنویں تن گئیں۔

"تو تم ڈانٹتے کیوں ہو۔"

"چلو کام کرو اپنا۔" حمید نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میرے خیال سے کھانا چھوڑ دینا عقل مندی نہیں۔"

"اور کیا.... بالکل حماقت ہے۔" قاسم پھر بول پڑا۔ "اب موت تو آئے گی نہیں البتہ تکلیف ضرور ہو گی۔"

لڑکی نے تھوڑا بہت کھالیا۔ ہمراہیوں نے بھی کھانا کھایا اور وہ لوگ پھر چل پڑے۔ اب قاسم اور حمید دونوں پیدل چل رہے تھے لیکن لڑکی اسٹریچر ہی پر تھی۔

حمید اُن چاروں کے برابر چل رہا تھا اُس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ "آپ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اب یہ مذاق ختم ہی کر دیجئے تو اچھا ہے۔"

"کیسا مذاق! ہم نہیں سمجھے۔"

"ہم آخر کہاں جا رہے ہیں۔"

"جنت میں۔ بڑی پُر فضا وادی ہے۔ کھانے پینے کا سامان وافر۔ درختوں پر انگوروں کی بیلیں چھائی ہوئی.... رسیلی خوبانیاں۔ شہد میں ڈوبے ہوئے سیب.... اور خوبصورت عورتیں.... ان کے علاوہ اور کیا ہو گا۔"

"لیکن ہم زبردستی وہاں کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔"

"اچھے آدمیوں کی جگہ جنت ہی ہے۔"

"اور کیا حمید بھائی۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں اپنے ابا جان کو تو وہاں ہرگز نہ آنے دوں گا اور وہ سالی.... میں اُسے طلاق دیتا ہوں.... طلاق.... طلاق.... طلاق.... کسی مرگھلے کلرک سے شادی کر لے گی۔"

قاسم چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔ "جنت میں تو خاصی تگڑی عورتیں ہوں گی۔ کوئی میری طرح بھی ہے۔"

"بہت جناب...! بہت۔" ایک نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کئی تو بالکل آپ ہی کے قد کی ہیں۔"

"اوہ.... لیکن ہم کب تک وہاں پہنچیں گے۔" قاسم ہونٹ چباتا ہوا بولا۔

"صرف دو دن لگیں گے جناب۔"

قاسم اپنی بھونڈی اور بے ڈھنگی آواز میں گنگنانے لگا۔

"کچھ زور سے سنایئے تو ہم بھی لطف اندوز ہوں۔" ایک نے کہا۔

"اجی! مجھے گانا وانا نہیں آتا۔" قاسم نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں نہیں تم بہت اچھا گاتے ہو۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

قاسم تھوڑی دیر تک جھینپے جھینپے سے قہقہے لگاتا رہا پھر کان پر ہاتھ رکھ کر تان ماری۔

اُن کے آجانے سے جو آجاتی ہے گھر میں رونق

وہ سمجھتے ہیں کہ سسرال کا حال اچھا ہے

اُس کی گونجیلی اور بھاری آواز دور تک چٹانوں میں پھیلتی چلی گئی۔ اچانک قاسم بالکل ہی بے سُرا ہو گیا اور پھر شرما کر کہنے لگا۔ "یہ نہیں دوسرا۔"

اُس نے پھر کان پر ہاتھ رکھا اور قوالی کے طرز میں حلق پھاڑنے لگا۔

"آہے.... اُمم کیا ہے.... اَہے دا.... شمشیر و سناں.... آں.... آں.... آں.... اول.... اَہے اول.... اول.... اول.... طاؤس و رباب .... آخر شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر۔"

"ارے او کم بخت۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کیا قوالی کر رہا ہے۔"

"میں کیا جانوں! میں نے ریڈیو ٹمبکٹو سے سنا تھا۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا اور پھر شروع ہو گیا۔

ہمراہی بہت زیادہ سنجیدہ تھے اور ان کی اس سنجیدگی سے نہ جانے کیوں حمید کو خوف معلوم ہو رہا تھا۔ حالانکہ ابھی تک وہ ان کے ساتھ نرمی ہی کا برتاؤ کرتے رہے تھے لیکن پھر بھی حمید اُن کی طرف سے مطمئن نہیں تھا اور ہوتا بھی کیسے جبکہ اُسے ان ساری باتوں کی غرض و غایت نہیں معلوم تھی۔ نہ جانے کون تھے اور کیا ارادہ رکھتے تھے۔

قاسم قوالی ختم کر کے تھکے ہوئے گدھوں کی طرح ہانپنے لگا۔

"حمید بھائی! ہنستی ہے۔" قاسم اُس کے قریب آ کر بڑے رازدارانہ انداز میں بولا۔

"کون! کیا بک رہے ہو۔"

"ارے وہی جو اب بھی اپنے جنازے پر سوار ہے۔"

"قاسم۔ کیا تم واقعی یہی سمجھ رہے ہو کہ تم مر چکے ہو۔"

"اور کیا.... مگر مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہے۔ بھلا تکلیف ہی کون سی ہے۔ جنت میں تگڑی تگڑی عورتیں.... وہ دیکھو حمید بھائی پھر ہنس رہی ہے۔"

"تم زندہ ہو قاسم! اگر ذرا سی بھی ہمت کرو تو ہم آزاد ہو سکتے ہیں۔"

"نہ.... نہ.... بس معاف کرو۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ رات دیکھ چکے ہو۔ رات تم ہی نے مجھے ورغلایا تھا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"پاگل ہی سہی.... وہ پھر ہنسی۔"

وہ چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ سورج افق میں جھکنے لگا۔ ننگی چٹانوں پر شام کی سرخ سرخ دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ خنکی بھی پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید اب سب میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ پہاڑی راستوں کی تھکن سے وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ قاسم کا بھی بُرا حال تھا مگر شائد جنت کی تگڑی تگڑی عورتوں کے خیال نے اُس کا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد بھی وہ چلتے رہے شائد انہیں کسی خاص جگہ پر پہنچنا تھا۔ ہمراہیوں نے تیز چلنا شروع کر دیا تھا۔ حمید اور قاسم بھی ان کے ساتھ گھسٹ رہے تھے۔

پھر اندھیرا پھیل گیا اور ہمراہیوں نے ٹارچیں نکال لیں۔

تقریباً آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ قلیوں نے سامان اُتارا اور پھر وہ سب ایک غار میں اُتر گئے۔ یہاں مومی شمعیں روشن کر دی گئیں۔ یہ غار بھی اندر سے فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ دیواروں پر اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی اور ایک جگہ سنگی مسند پر مہاتما بدھ کی مورتی نصب تھی۔ غالباً یہ ہزاروں سال قبل بدھ درویشوں کا مٹھ رہا ہو گا۔

اچانک حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی ساری تھکن رفع ہو گئی ہو۔ مومی شمعوں کی ٹھنڈی روشنی، مہاتما بدھ کی پُر سکون مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی روح کی گہرائیوں میں اتری جا رہی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ کسی کا قیدی ہے۔ کچھ اجنبی اُسے کسی نامعلوم منزل کی طرف لے

جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون ہیں اور اس سے کیا چاہتے ہیں۔ اُسے اپنے انجام کا بھی اندیشہ نہیں تھا اس کی روح اب سے ہزاروں سال پہلے کی دنیا میں بھٹکنے لگی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس غار میں تنہا ہو جیسے وہ بھی مومی شمعوں کی طرح پگھلا جا رہا ہو..... تنہائی..... ہلکی سرخ روشنی بدھ کا ملکوتی تبسم.....ان کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا پھر حمید کو محسوس ہوا جیسے وہ قہقہے لگا رہا ہو۔ مگر بے آواز جیسے وہ رقص کر رہا ہو مگر اعضا بے حس و حرکت.....وہ چیخ رہا تھا۔ وہ رقص کر رہا تھا۔ لیکن اُس کی زبان گنگ تھی۔ اس کا جسم ساکت تھا۔ کیا یہ بدھ کی مورتی ہے؟ دفعتاً اس کے کان کے قریب گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ حمید چونک پڑا۔ اس کی ہم سفر اس کے پہلو میں کھڑی مورتی کو بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے سر ہلا دیا۔ اس کی روح اب بھی پرانی دنیا میں بھٹک رہی تھی۔ اُس کی ہم سفر کا چہرہ ہلکی سرخ روشنی میں چمک رہا تھا۔ حمید کے ذہن میں قدیم مندروں کی مٹھوں کی دیوداسیوں کا تصور اُبھرا.....اور وہ اُسے اس تقدس آمیز روشنی میں کوئی مقدس کنواری معلوم ہونے لگے۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں.....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

لڑکی اُسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگ اتنے مطمئن کیوں ہیں۔"

"واہ.....جی ہاں۔" یک بیک وقت حمید کو ہوش آ گیا۔ اُس نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "مصلحت۔"

غار میں قافلے کے سارے افراد موجود تھے لیکن وہ شب بسری کے انتظام میں اس طرح مصروف تھے کہ انہوں نے ان دونوں کی طرف دھیان نہیں دیا یا پھر وہ دینا ہی نہیں چاہتے تھے۔

"نہ جانے ہم کہاں اور کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کس طرح پڑی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں ایک رات اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ آنکھ کھلی تو میں وہاں ہونے کی بجائے ایک غار میں تھی۔"

"فزارو میں تین شکاری مقیم تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں.... تھے تو۔"

"اُن کے متعلق آپ کا خیال ہے۔"

"اوہ.... وہ بہت شریف تھے۔"

"پچھلے سال گرومی نام کا کوئی شکاری فزارو میں ٹھہرا تھا۔"

"جی ہاں.... اور وہ یقیناً اچھا آدمی نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں اس سیزن میں ہمارے یہاں نہیں ٹھہرا۔"

"کیوں وہ اچھا آدمی کیوں نہیں تھا۔"

"ہر وقت شراب پیتا رہتا تھا۔ جھگڑالو اور غصہ ور تھا۔"

"ہوں....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔

"حمید بھائی.... کھانا کھالو۔" قاسم نے اُسے آواز دی۔

"بہر حال۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ ہم لوگ چپ چاپ چلتے رہیں اور آپ کھانا نہ چھوڑیئے۔ میرے ساتھی کو دیکھئے کتنا مست ہے۔"

"احمق معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی مسکرائی۔

پھر وہی غار

گرومی کی فراہم کردہ معلومات میں اصلیت رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ فریدی نے جو کچھ بھی کہا اس سے ملنے کے بعد ہی کہا۔ ٹیکم گڈھ پولیس کے گذشتہ ریکارڈ میں اُسے بعض حیرت انگیز باتیں ملیں۔ متواتر کئی سال سے سردیوں کے موسم میں بہتیرے آدمی غائب ہو جاتے تھے۔ بوڑھوں اور بچوں کے غائب ہونے کی کوئی رپورٹ کبھی نہیں درج کرائی گئی تھی۔

فریدی نے اپنے ساتھیوں کو فزارو سے ہٹا دیا اور خود وہیں مقیم رہا۔ اُس کی تجویز تو یہ تھی کہ سب لوگ واپس چلے جائیں لیکن کسی نے بھی اُسے منظور نہ کیا۔ پھر اُس نے صرف عورتوں کی واپسی پر زور دیا لیکن یہ بات بھی رد کر دی گئی۔

فزارو میں غرتاش اور اس کے ساتھی اب بھی مقیم تھے۔ حالانکہ گرومی نے ان کے خلاف کافی زہر اگلا تھا لیکن فریدی کے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا۔ لیکن وہ اُن سے

ہوشیار ضرور رہتا تھا۔

وہ اِس بات کے امکانات پر بھی غور کرتا رہا تھا کہ وہ حرکت تیسری پارٹی کی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بات تو اُس پر واضح ہو گئی تھی کہ اس دن اُس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے والا گرومی کی پارٹی کا آدمی نہیں تھا کیونکہ وہ اُن کے ساتھیوں کی اور اُس کی گفتگو چھپ کر بھی سن چکا تھا۔

سیتل گھاٹی سے پولیس کا پہرہ ہٹا لیا گیا تھا اور یہ فریدی ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ آج دوپہر کو بھی کافی برف باری ہوئی تھی اور شام تک آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ لیکن رات ہوتے ہی بادل پھٹ گئے تھے اور برف کی سفید چادر پر کبھی کبھی چاندنی کی خشمگین نظر آنے لگتی تھی۔

فریدی شام ہی سے ایک غار میں جا گھسا تھا۔ آج اُس کے ارادے حقیقتاً خطرناک نظر آرہے تھے۔ اُس کے پاس آج رائفل کی بجائے ٹامی گن تھی اور کاندھے پر ایک بہت بڑا جال تہہ کیا ہوا پڑا تھا۔

غار میں اندھیرا تھا اور فریدی ایک کونے میں دبکا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُسے غار میں کسی دوسرے آدمی کے داخلے کی توقع تھی۔ اُس کی آنکھیں دراصل ایک سوراخ سے لگی ہوئی تھیں، جو ٹھیک اُس جگہ کے سامنے تھا جہاں اُسے بھوت دکھائی دیئے تھے۔ فریدی تنہا تھا اُس کے ساتھیوں نے اس مہم میں حصہ لینا چاہا تھا لیکن فریدی نے انکار کر دیا تھا۔ غزالہ تو اب تک اُس کی مخالفت کرتی رہی تھی۔

جس غار میں فریدی اس وقت بیٹھا تھا یہ بھی اُس کی ایک پرانی دریافت تھی۔ لیکن وہ اس بات پر مطمئن نہیں تھا کیونکہ دوسرے لوگ بھی اس سے واقف ہو سکتے تھے۔

ٹھیک دس بجے اس غار کے دہانے پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یقیناً کوئی اُسی غار میں گھسا رہا تھا۔ فریدی سوراخ چھوڑ کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا، جو غار کے آخری سرے سے تھوڑا ہی ہٹا ہوا تھا۔

آنے والے نے ٹارچ روشن کی اور غار کا جائزہ لیتا رہا۔ فریدی پتھر کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ آنے والا بھی اُسی پتھر پر بیٹھ گیا ہے جس پر تھوڑی دیر قبل وہ خود بیٹھا ہوا تھا اور غالباً وہ اسی سوراخ سے جھانک بھی رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ پڑا رہا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد خود اُسے اپنی ناکارگی کھلنے لگی وہ سوچ رہا تھا کہ

آخر یہ کون ہو سکتا ہے اُس نے کچھ دیر اور انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ وہ ابھی تک اُسی طرح بیٹھ ہوا تھا تو اُس نے پتھر کی اوٹ میں دبکے رہنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ چپکے سے اٹھا اور ٹامی گن کی نال اُس کی پیٹھ پر رکھ دی۔

"خاموش" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

اس نے بے چوں وچرا تعمیل کی۔ فریدی نے ٹارچ نکالی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکل گئی۔

یہ فزارو کا منیجر تھا اور اس کے چہرے پر اب بھی وہی معصوم مسکراہٹ تھی۔

"آپ یہاں کیسے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔" منیجر نے مسکرا کر کہا۔

فریدی کو اطمینان تھا کہ وہ اُسے پہچان نہ سکے گا کیونکہ اُس نے میک اپ کر رکھا تھا اور یہ میک اپ معمولی نہیں بلکہ اُس کا مخصوص ترین میک اپ تھا جو ایمونیا کے بغیر بگڑ ہی نہیں سکتا تھا۔

"آپ شائد فزارو کے منیجر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور میرے خیال سے یہ کوئی بُری بات نہیں۔"

"میں پوچھتا ہوں تمہارا یہاں کیا کام۔" فریدی نے گرج کر پوچھا۔

"اوہ.... آپ کون ہیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"اول تو آپ کی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آئی۔" منیجر سنجیدگی سے بولا۔ "دوسری بات یہ کہ آپ اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ ویسے اخلاقاً میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں والے بھوت دیکھنے کی خواہش مجھے یہاں لائی ہے۔"

"آپ کون ہیں جناب والا۔" اُس نے بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ وہ یہیں سے دکھائی دیں گے۔"

منیجر نے کوئی جواب نہ دیا اور فریدی یہ بھی نہ محسوس کر سکا کہ دوسرے لمحے میں یقیناً اُس کا ہاتھ اُس کے ٹارچ والے ہاتھ پر پڑے گا۔

ساتھ ہی ایک بھرپور گھونسہ بھی فریدی کے جبڑے پر پڑا۔ ٹامی گن بھی اُس کے ہاتھ سے

نکل گئی اور پھر وہ بھوتوں پر جال ڈالنے کی حسرت دل ہی میں لئے ہوئے چند لمحوں کے لئے بے حس و حرکت ہو گیا کیونکہ گرتے وقت اُس کا سر پتھر سے ٹکرا گیا تھا۔

جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ پانچ چھ مسلح آدمی اپنے ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے اُس کے گرد کھڑے ہیں لیکن اُن میں فزارو کا منیجر نہیں تھا۔ فریدی نے چپ چاپ پڑے ہی رہنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ بالکل تنہا ہو چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک کھڑے سرگوشیاں کرتے رہے۔ پھر چار آدمیوں نے مل کر فریدی کو اٹھایا مشعلیں بجھا دی گئیں۔ بالکل اندھیرا چھا گیا اور اب فریدی کے لئے باقاعدہ طور پر آنکھیں کھلی رکھنا قطعی آسان ہو گیا تھا۔

غار سے نکل کر وہ لوگ چٹانوں کے سلسلے کے نیچے ہی نیچے پچھم کی طرف بڑھنے لگے۔ کئی بار فریدی کا دل چاہا کہ اُن سے الجھ پڑے اور اب حقیقتاً وہ اس پوزیشن میں تھا کہ اُن سے اکیلے ہی نپٹ سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ ایک اٹھانے والے کے ہولسٹر میں جھول رہا تھا اگر وہ چاہتا تو بہ آسانی اُس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیتا۔ لیکن وہ اپنی طبیعت پر جبر کرتا رہا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک غار میں گھسے اور انہوں نے پھر مشعلیں روشن کر لیں۔ فریدی کو آنکھیں بند کر لینی پڑیں لیکن اس کی پلکیں اب بھی ذرا سی کھلی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ ایک سرنگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اُسے سرنگ ہی کہا جا سکتا تھا کیونکہ یہ راستہ کسی طرح سے بھی غیر مسطح نہیں تھا۔ یقیناً یہ ایک انسانی کارنامہ تھا۔

سرنگ سے گذر کر وہ ایک مٹھ میں پہنچے۔ فریدی کو فرش پر ڈال دیا گیا اور ایک آدمی کے علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔ ایک بار پھر فریدی کے دل میں آئی کہ کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے لیکن اس نے اس خواہش کو زیادہ نہ ابھرنے دیا۔ بس وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ وہاں رک جانے والا آدمی اس کے پیروں کے پاس کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر انہیں اسے مار ڈالنا ہی مقصود ہوتا تو وہیں ختم کر دیتے۔ آخر وہ اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔ دفعتاً اُسے ٹیکم گڈھ پولیس آفس کے پرانے فائل یاد آ گئے جن میں اس نے مردوں اور عورتوں کے اغواء کی رپورٹیں دیکھی تھیں۔ گرومی کے غائب ہو جانے والے ساتھی یاد آئے جن کی لاشیں نہیں مل

سکی تھیں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ ابھی حال ہی میں قاسم اور حمید بھی اسی سیتل گھاٹی میں غائب ہوگئے تھے۔

"میں کہاں ہوں۔" اس نے اپنے قریب ہی ایک نسوانی آواز سنی۔

یہ بھی گویا معجزہ ہی تھا کہ آواز کی طرف فریدی کی گردن نہیں گھومی۔ ورنہ ایسے موقعوں پر سرزد ہونے والے افعال سو فیصدی اضطراری ہوتے ہیں اور ان میں ارادے کو قطعی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے آہستہ سے کچھ کہا جسے فریدی نہ سن سکا۔

"تم کون ہو.... میں کہاں ہوں۔" آواز پھر آئی۔ لیکن فریدی کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ کیونکہ وہ آواز فرزانہ کی تھی۔ فریدی اس آواز کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اس آواز سے نفرت تھی۔

اب بھی اس نے اپنی حالت میں کوئی تغیر نہ پیدا ہونے دیا۔ فرزانہ شائد کھڑی ہوگئی تھی۔

"تشریف رکھئے۔" اس آدمی نے کہا۔ "آپ محفوظ ہیں۔ تشویش کی بات نہیں۔"

فرزانہ ہلڑ مچانے لگی لیکن وہ آدمی خاموش رہا۔ لیکن جب فرزانہ باہر نکل جانے کے لئے دریچے کی طرف جھپٹی تو اُس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

"اُدھر موت ہے۔"

فرزانہ یک بیک رک گئی۔ فریدی اب بھی چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ اس ڈرامے کے دوسرے سین کا منتظر تھا۔

تھوڑی دیر بعد بقیہ لوگ پھر واپس آگئے۔ ان کے ساتھ دو عدد اسٹریچر تھے۔ ان میں دو آدمیوں نے فرزانہ کو پکڑ لیا اور ایک نے اس کے بازو میں کسی چیز کا انجکشن دے دیا۔ فرزانہ چیختی رہی وہ اب بھی کافی مغلق الفاظ میں ان لوگوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ نہ جانے کس طرح فریدی اپنی ہنسی ضبط کئے رہا لیکن اس وقت اس پر یہ بات روشن ہوگئی کہ فرزانہ عادتاً بڑے بڑے الفاظ بولتی ہے اس کا مقصد خود نمائی ہرگز نہیں۔

آہستہ آہستہ فرزانہ کی آواز دبتی گئی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

فریدی اور فرزانہ کو اسٹریچروں پر ڈال کر وہ لوگ پھر چل پڑے۔

اس بار وہ جس سرنگ میں داخل ہوئے تھے کافی طویل معلوم ہوتی تھی۔ چار آدمیوں نے

مشعلیں سنبھال رکھی تھیں۔

فریدی اب بھی خاموش تھا لیکن اسٹریچروں کے استعمال ہی سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سفر لمبا معلوم ہوتا ہے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ سرنگ سے باہر نکلے۔ فریدی نے گردن گھما کر دیکھا دو آدمی سرنگ کے دہانے کو بند کر رہے تھے۔ یہاں فریدی پر دو تین کمبل ڈال دیئے گئے لیکن جیسے ہی وہ لوگ روانہ ہوئے فریدی نے منہ کھول دیا۔

بادل بالکل ہی پھٹ گئے اور نکھری ہوئی چاندنی میں پہاڑیاں نہا گئی تھیں۔ سناٹے میں صرف قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس سے فریدی نے اندازہ لگایا کہ شاید اس طرف برف باری نہیں ہوئی ورنہ قدموں کی آوازوں میں اتنی گونج نہ ہوتی۔

فریدی کا دل دھڑک رہا تھا، خوف سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ وہ عنقریب کسی بہت ہی گہرے راز سے دوچار ہونے والا ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ لوگ اسے کہاں لے جائیں گے اور اس سے کیسا برتاؤ کریں گے۔ فرزانہ کے ساتھ بھی اُن لوگوں نے کسی قسم کی سختی نہیں کی تھی اور شائد انجکشن محض اس لئے دیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اسے ان راستوں کا علم نہ ہو سکے جن سے وہ کہیں اور لے جائی جانے والی تھی۔

اسے بھی فطرت کی ستم ظریفی ہی کہنا چاہئے کہ سردی کی شدت کے باوجود بھی فریدی کی پلکیں نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے نیند کے خلاف ذہنی جنگ شروع کر دی۔ وہ رات بھر چلتے رہے اور فریدی جاگتا رہا۔ وہ اپنے ذہن میں سمتوں کے نقشے مرتب کرتا جا رہا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے فرزانہ کو ہوش آگیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی۔ فریدی کا اسٹریچر اس کے اسٹریچر کے برابر ہی تھا۔ اس نے اس کی سہمی ہوئی شکل دیکھی اور سوچنے لگا کہ آخر وہ کس طرح پھنس گئی کیا اسے نصرت کے مکان سے نکال کر لایا گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو دوسری عورتیں بھی محفوظ نہیں۔

صبح کے ناشتے کے لئے وہ لوگ رک گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے مسلح ہمراہی انتہائی اطاعت شعار قسم کے غلاموں کی طرح پیش آرہے تھے۔ فرزانہ انہیں بُرا بھلا کہہ رہی تھی

لیکن ان میں سے کسی کی پیشانی پر شکن تک نہیں تھی۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگیں۔" فریدی نے فرزانہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو فزارو میں دیکھا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی.... میں ایک پولیس آفیسر کے یہاں تھی.... اور ایک دوسرے پولیس آفیسر کی تلاش میں فزارو آئی تھی۔ فزارو سے واپسی پر بلائے آسمانی کی طرح کوئی الجھا لینے والی چیز مجھ پر گری اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ نے پوچھا۔ "آخر یہ کون ہیں اور ہمیں کہاں لے جارہے ہیں۔"

"پتہ نہیں۔" فریدی نے سر ہلادیا۔

"آپ کون ہیں۔"

"میں.... ایک شکاری ہوں۔ مگر یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔"

اس سفر میں کئی بار ہمراہیوں نے فریدی سے پیدل چلنے کی استدعا کی لیکن اس نے اسے منظور نہ کیا۔ اس نے اپنے گھٹنوں میں تکلیف کا بہانہ کر کے اسٹریچر ہی پر پڑے رہنا مناسب سمجھا۔ البتہ کسی جگہ قیام ہونے کی صورت میں وہ لنگڑا لنگڑا کو تھوڑا بہت ٹہل ضرور لیتا تھا۔

فرزانہ نے اپنی فصیح اور بلیغ تقریروں سے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ لیکن کبھی کبھی اس پر رونے کا دورہ بھی پڑجاتا تھا۔ فریدی نے اسے اب تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ ویسے وہ اسے تسلیاں ہی دیتا رہتا تھا۔

تیسرے دن وہ اسی وادی میں پہنچ گئے جہاں قاسم نے ایک فیصلہ کن جنگ کی تھی۔ لیکن فریدی کے ہمراہی بہت زیادہ سراسیمہ نظر آنے لگے تھے کیونکہ وادی کے نشیب میں بسا ہوا گاؤں ویران نظر آرہا تھا اور وہاں انہوں نے کچھ لاشیں بھی دیکھیں پھر جب وہ اس سنگی عمارت میں داخل ہوگئے تو ان میں سے کئی کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ حالانکہ وہ کافی تھکے ہوئے تھے لیکن انہوں نے قیام نہ کیا۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ جلد سے جلد اس وادی سے نکل جانے کی کوشش کر رہے ہیں، انہیں عمارت میں بھی پندرہ بیس لاشیں نظر آئی تھیں اور ان کی بدبو کی وجہ سے پوری عمارت میں کہیں بھی ناک نہیں دی جارہی تھی۔

فرزانہ کے تو حواس غائب تھے۔ اس نے جو چپ چاپ سادھی تو پھر فریدی کے متوجہ کرنے پر بھی اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ نہ اب وہ ہمراہیوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور نہ اپنے ڈیڈی کو یاد کر کے روتی تھی۔

قاسم کی درندگی

تیسرے دن قافلہ ایک سرسبز وادی میں داخل ہو رہا تھا اور یہاں سے شائد پیدل چلنے والوں کی صعوبتوں کا خاتمہ ہو جانے کو تھا وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے۔

یہ گاؤں تیس چالیس چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل تھا۔ وسط میں پتھر کی عمارت تھی۔ قاسم، حمید اور وہ لڑکی عمارت کے اندر لے جائے گئے اور یہاں بھی ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی گئی۔

دوپہر کا کھانا ان کے سامنے لگایا گیا۔ تو ایک بہت چھوٹے سے قد کا مسخرہ آکر اچھلنے کودنے لگا۔ غالباً وہ ان کا دل بہلا رہا تھا۔

قاسم بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ حمید کو مسکرانے کی بھی فرصت نہیں تھی اس کا ذہن اس عجیب و غریب سفر کی نوعیت میں الجھ کر رہ گیا تھا اور ہر لحظہ اسے کسی اچانک حادثے کا اندیشہ پریشان کئے رہتا تھا۔

اس عمارت میں پہلے سے بھی کچھ آدمی موجود تھے اور ان کا رویہ بھی انتہائی خادمانہ تھا۔ ان میں سے کسی نے ایک بار بھی ہمراہی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ لڑکی کا خوف بالکل رفع ہو گیا تھا لیکن اب خوف کی جگہ گہرے قسم کے تحیر نے لے لی تھی۔ دستر خوان پر وہی تینوں اکیلے تھے۔ سامنے دو خادم دست بستہ کھڑے تھے۔ دستر خوان اور خادموں کے درمیان میں بونا مسخرہ اچھل کود رہا تھا۔

"حمید بھائی.... ذرا اس چوزے کو دیکھنا۔" قاسم نے بونے کی طرف دیکھ کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک بونی کمرے میں داخل ہوئی اور وہ بھی بونے ہی کی طرح اچھلنے کودنے لگی۔

"ارے....!" قاسم حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "بونی بھی۔"

وہ چند لمحے منہ پھاڑے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اے قربان جاؤں پاک پروردگار تیری قدرت کے۔ بونے کے لئے بونی بھی پیدا کردی۔ کیوں حمید بھائی۔ ہی ہی ہی۔"

"اس عمارت کے لوگ بھی بڑے شائستہ معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے لڑکی سے کہا۔

"میں تو اب سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"وہم کا کوئی علاج ہی نہیں۔" قاسم نے کسی فلسفی کی طرح خود اعتمادی کے لہجے میں کہا۔

"وہم! کیسا وہم۔" حمید اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"یہی وہم کہ ہم لوگ دوسری دنیا میں نہیں ہیں۔" قاسم نے کہا۔ "آپ لوگوں کو زندگی مبارک رہے میں تو سو فیصدی مر چکا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بونے کے لئے بونی پیدا کی ہے تو میرا کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کر دیا ہو گا۔"

لڑکی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور حمید قاسم کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.... حمید بھائی۔"

"بکواس بند کرو۔"

"ہائیں.... پھر توہین کی۔" قاسم بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ حمید اس کا شانہ تھپکنے لگا۔

دوپہر کا کھانا ختم کر چکنے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ایک خادم اپنے ساتھ ایک بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بستر پہلے ہی سے موجود تھے۔ دو دن کی تھکن کے بعد انہیں پہلی بار گہری نیند آئی تھی۔ وہ چار بجے تک مردوں کی طرح پڑے رہے پھر ایک ہیجان انگیز شور نے حمید کو جگا دیا۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھا اسے صرف شور کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر جیسے جیسے ذہن نیند کے اثرات سے چھٹکارا پاتا گیا شور کی نوعیت سمجھ میں آتی گئی۔

یہ پے در پے فائروں کی آوازیں تھیں اور اُن میں آدمیوں کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی بھی اٹھ بیٹھی تھی لیکن قاسم اس طرح مچل مچل کر کروٹیں بدل رہا تھا جیسے مچھروں کی زیادتی اس کی نیند میں خلل انداز ہو رہی ہو۔

"قاسم....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

"اوں ہوں.... ڈاب.... ڈاب.... کباب....!" وہ منہ چلاتا ہوا دوسری کروٹ ہو گیا۔

پھر حمید نے اُسے اس طرح جھنجھوڑا کہ اٹھنا ہی پڑا۔ وہ چند لمحے آنکھیں مل مل کر طرح طرح کے منہ بناتا رہا پھر جماہی لے کر اچانک اچھل پڑا۔ شائد شور کی آواز اب اُس کے ذہن میں صاف ہوئی تھی۔

"ہائیں! حمید بھائی یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولا۔

"پتہ نہیں! لیکن یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ اب موت نہ آئے گی۔" حمید نے کہا۔

دوسرا لمحہ اُن کے لئے انتہائی تشویش ناک تھا کیونکہ ایک گولی سنسناتی ہوئی سیدھی دروازے کے سامنے سے گذری تھی۔ اب شور و غل عمارت کے نچلے حصے میں ہو رہا تھا اور کچھ اس قسم کی وحشت ناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں جیسے لوگ گولیاں کھا کھا کر ڈھیر ہو رہے ہوں۔

دفعتاً دو آدمی رائفلیں سیدھی کئے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ دونوں نے بیک وقت چیخ کر کچھ کہا اور رائفلوں کی نالیں اُن کی طرف تان لیں۔ اُن دونوں کے چہرے بڑے خوف ناک تھے۔ انہوں نے بھیڑ کی کھال کا لباس پہن رکھا تھا اور اُن کے سروں پر سیاہ ٹوپیاں تھیں جن کے بال اتنے لمبے تھے کہ اُن کی آنکھوں تک لٹک آئے تھے۔

"قاسم! ہاتھ اٹھا دو۔" حمید نے اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں اٹھاتا۔" قاسم نے جھنجھلا کر کہا وہ بھی طرح طرح کی غصیلی شکلیں بنا کر انہیں گھور رہا تھا۔

لڑکی ڈر کر حمید سے لپٹ گئی تھی۔

ان میں سے ایک نے پھر چیخ کر کچھ کہا۔ الفاظ حمید کی سمجھ میں نہیں آئے۔

پھر اُسی وضع قطع کے کئی اور آدمی کمرے میں گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے لڑکی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اُس کی چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔

"قاسم خدا کے لئے۔" حمید بڑبڑایا۔ "کوئی حماقت نہ کرنا۔"

"حمید بھائی دیکھتے نہیں سالوں کو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ہم نہتے ہیں۔ چپ چاپ دیکھو لیکن خائف نہ ہونا۔ یہ بھوت نہیں ہیں۔ بھوت رائفل نہیں رکھتے۔"

"اچھا.... میں نہیں ڈروں گا۔" قاسم نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلایا۔

وہ لوگ انہیں رائفلوں کے کندھے سے دھکیلتے ہوئے باہر نکال لائے۔

حمید نے صحن میں اپنے ہم سفروں میں کئی کی لاشیں دیکھیں۔ اُن میں کچھ زخمی بھی تھے، جو بیہوشی کی حالت میں بھی کراہ رہے تھے۔ برآمدے میں تخت پر ایک گرانڈیل آدمی کھڑا مرنے والوں کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ شائدان وحشیوں کا سردار تھا۔ حمید نے کچھ ہم سفروں کو رسیوں سے جکڑا بھی دیکھا۔ اُن میں وہ چاروں بھی تھے جو اردو بولتے تھے۔ انہوں نے بڑی ندامت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"یہ جانور ہمارے دشمن ہیں۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

لڑکی کو دیکھ کر وحشیوں کا سردار ہونٹ چاٹنے لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا جس کے جواب میں انہوں نے قہقہے لگائے اور لاشوں کو روندتے ہوئے تخت کے قریب آگئے۔

پھر سردار حمید اور قاسم کو گھورنے لگا۔

اتنے میں دو آدمی بونی عورت کو پکڑ لائے۔ اس کا قد تین فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا۔ اُس نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر اچھال دیا۔ پھر اُسے ہاتھوں پر روک کر اپنے ایک ساتھی کی طرف اچھال دیا۔ اُس نے بھی ہاتھوں پر روک کر تیسرے کی طرف اچھال دیا۔ بونی کے منہ سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے۔

"یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے ایک ہمراہی سے پوچھا۔

"یہ ہمارے دشمن، یہ ہمیں قیدی بنا کر اپنے علاقے میں لے جائیں گے۔"

"تمہارے اور آدمی کہاں ہیں۔"

"یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر دوسری چوکی ہے۔"

دفعتاً حمید نے لڑکی کی چیخ سنی۔

وحشیوں کا سردار اُس کے گال چٹکیوں میں دبائے کچھ کہہ کہہ کر ہنس رہا تھا۔ بونی بدستور اچھالی جارہی تھی اور اس کی چیخیں بھی گونج رہی تھیں۔

پھر سردار لڑکی کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے دلچسپ مشغلے میں شریک ہو گیا۔ اُس نے بونی کی ایک ٹانگ پکڑلی اور اسے گردش دینے لگا لیکن اب وہ چیخ نہیں رہی تھی۔

چکر دیتے ہوئے اُس نے اُسے ایک بار چھوڑ دیا اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر سامنے والی

دیوار سے جا ٹکرائی۔

اور پھر وہ منظر کم از کم حمید سے تو نہ دیکھا گیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہوگئی تھی۔

"خدا کی قسم۔" قاسم رسیوں میں زور کرنے لگا۔"میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس شیطان کے بچے کو بھی اسی طرح ماروں گا۔ چاہے میرے پرخچے اڑ جائیں۔"

"قاسم احمق نہ بنو.... صبر کرو۔" حمید نے کہا۔

وحشیوں نے اب بونے کی لاش اچھالنی شروع کردی تھی۔ وہ اس مشغلے میں اس طرح منہمک تھے کہ اپنے قیدیوں کی طرف دیکھنا بھی بھول گئے۔ قاسم رسیوں سے زور آزمائی کررہا تھا۔ یکا یک رسیاں ٹوٹ گئیں۔ اُس نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک رائفل اٹھائی اور اس کی نال پکڑے ہوئے وحشیوں کے مجمعے میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اُس نے رائفل کا ایک کندہ اُن کے سردار ہی کے سر پر جھاڑ دیا۔ قاسم کی قوت تو بہر حال اظہر من الشمس تھی اُس پر طرہ یہ کہ وہ غصے میں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سردار پہلی ہی چوٹ میں ڈھیر ہوگیا۔ قبل اسکے کہ وحشیوں کو کچھ سمجھنے کا موقع ملتا قاسم نے تین آدمیوں کو گرا دیا۔ اُس نے رائفل کو ڈنڈے کی طرح پکڑ رکھا تھا اور اُسے کسی مشاق لٹھ باز کی طرح گردش دے رہا تھا۔ وحشیوں کے سر میں نہ جانے کیا سمائی کہ انہوں نے بھی وہی حرکت کرنا شروع کردی ورنہ شائد قاسم کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ہی گولی اس کا کام تمام کردیتی۔

وحشی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔

"لڑکی کیا دیکھ رہی ہو۔" حمید نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔"ہمیں کھول دو۔"

لڑکی نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا اور ایک مردے کی کمر سے خنجر کھینچ کر اُن کی رسیاں کاٹنی شروع کردیں۔ وحشی چاروں طرف سے قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے اور انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ قیدیوں میں آٹھ آدمی تھے اور ان کی رائفلیں وہیں لان میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے چھوٹتے ہی اپنے دشمنوں کو نشانہ پر رکھ لیا۔ جب تک وحشی سنبھلتے اُن کے چار آدمی کام آچکے تھے۔ انہوں نے دوسری باڑھ ماری تین اور گرے۔ قاسم نے یہ ماجرہ دیکھا تو دھڑ سے زمین پر گر گیا۔

دونوں طرف سے پھر گولیاں چلنے لگیں۔ حمید کے ہمراہیوں نے ستونوں کی اڑ لے لی تھی اور اُن کے دشمن کھلے میں تھے۔ تیسری باڑھ نے اُن کے قدم اکھاڑ دیئے لیکن بھاگ نکلنے کے

سارے راستے خود انہوں نے ہی مسدود کر دیئے تھے۔

اب وہ تعداد میں صرف پانچ رہ گئے تھے۔

گولیاں چلتی رہیں ایک اور گرا۔ پھر باقی چار نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر اپنی رائفلیں پھینک دیں اور زمین پر اوندھے گر گئے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاروں اسی جگہ بندھے کھڑے تھے۔

قاسم نے بیہوش سردار کو اٹھا کر تخت پر ڈال دیا اور دونوں ہاتھوں سے رائفل کی نال پکڑ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے وہ اس کے اٹھنے کے انتظار میں ہو۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"اپنی قسم پوری کروں گا۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ "جیسے ہی اٹھے گا بس ایک ہی ہاتھ میں اس کی کھوپڑی کے چار ٹکڑے کر دوں گا۔"

"یہ نہ کیجئے تو بہتر ہے۔" ایک ہمراہی نے کہا۔ "اُسے قیدی بنا کر لے چلنا ہی زیادہ بہتر ہو گا۔"

"ہرگز نہیں۔" قاسم نے کہا اور جھک کر سردار کے سر سے ٹوپی اتار لی۔

"انہیں سمجھایئے۔" ہمراہی نے حمید سے کہا "اسے زندہ لے جانا ہمارے لئے زیادہ مفید ہو گا۔"

حمید نے قاسم کو سمجھانا چاہا لیکن وہ پھیل گیا۔

"کیا آپ انہیں کسی تدبیر سے باز رکھ سکتی ہیں۔" ہمراہی نے لڑکی سے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔" لڑکی نے بڑی بے رخی سے کہا۔ "لیکن اُس صورت میں جب ہمیں اس سفر کا مقصد بتا دیا جائے۔"

"محترمہ! ہم فی الحال اس سے معذور ہیں۔"

"تب ادھر بھی مجبوری ہی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"ہرگز نہ مانوں گا۔" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ "مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ غضب خدا کا ان درندوں نے اسی ننھی سی جان کو تماشا بنا کر مار ڈالا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں.... میں اس کے سر کا گودا ناک کے راستے بہاؤں گا۔"

قاسم نے اب اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھ کر ایک کندہ اُس کے سر پر جھاڑ دیا اور وہ ایک ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپنے لگا۔ پھر اٹھ کر بھاگا لیکن اس کی آنکھیں

بند تھیں قاسم نے پھر ایک ہاتھ مار دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی لاش کو پہچاننا بھی ناممکنات میں سے ہو گیا۔ نہ ناک کا پتہ تھا اور نہ دہانے کا صرف اس کے دہانے کے بڑے بڑے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔

اس کے چاروں ساتھی اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں سردی لگ کر بخار آ گیا ہو۔ لڑکی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

"قاسم تم نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے کہا۔

"چلو چلو! نہیں تو ابھی ایک ہاتھ جھاڑ دوں گا پر اٹھا ہو کر رہ جاؤ گے۔" قاسم بولا۔

اُس پر سچ مچ خون سوار ہو گیا تھا۔ اُس نے ہمراہیوں سے پوچھا۔ "ان چاروں کے لئے کیا کہتے ہو۔ جلدی کرو۔ بھوک کے مارے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔"

"جناب والا۔" ایک نے کہا۔ "ہم یہی درخواست کریں گے کہ انہیں قیدی بنا کر لے جایا جائے۔"

"تم لوگ واقعی بڑے بے حیا معلوم ہوتے ہو۔" قاسم مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ بہت تھک گئے ہیں.... اب تھوڑا آرام کر لیجئے۔"

"آرام کر لوں.... اور کھانا.... الاقسم پیارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

"آپ چلئے تو اپنے کمرے میں۔" ہمراہی نے گڑگڑا کر کہا۔ "کھانا بھی آ جائے گا۔"

پھر حمید اُسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر کمرے کی طرف لے گیا۔

قاسم بڑی دیر میں ٹھنڈا ہوا۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا۔" حمید نے پوچھا۔ "مر گئے ہو یا زندہ ہو۔"

"یہ سب سالے بھی چار سو بیس معلوم ہوتے ہیں۔" قاسم نے کہا۔ "آج رات کو انہیں بھی ٹھنڈا کر دو اور نکل چلو۔"

"کہاں نکل چلیں.... کہاں.... بھٹکتے پھریں گے۔" حمید بولا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے یہ ہماری زندگی کا آخری سفر ہے۔"

"تو کیا ہم واقعی مر جائیں گے۔" قاسم نے غمناک لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو! کیا ہوتا ہے۔ ویسے اب کچھ گڑبڑ نہ کرنا۔ چپ چاپ دیکھتے جاؤ۔"

قاسم اس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے حمید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

مل گئے

فریدی کے ہمراہی بڑی تیزی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ شائد انہیں اپنی تھکن کا بھی احساس نہیں تھا۔

"آخر آپ لوگ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔" فریدی نے اُن میں سے اس آدمی سے پوچھا جو اردو بول اور سمجھ لیتا تھا۔

"ہمارے دشمن ہماری گھات میں ہیں۔"

فریدی نے اب اسٹریچر پر لدے رہنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ کچھ دیر قبل دیکھی ہوئی لاشیں اب بھی اس کے ذہن میں چکر لگا رہی تھیں۔ ہمراہیوں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں۔

"ٹیکم گڈھ میں آپ لوگوں کا کہاں قیام تھا۔" فریدی نے ہمراہی سے پوچھا۔

"پورے ٹیکم گڈھ میں۔" ہمراہی نے مسکرا کر کہا لیکن اس کی مسکراہٹ میں زندگی نہیں تھی۔

چاروں طرف ہری بھری پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ یہ حصہ ٹیکم گڈھ سے کم بلند ہے ورنہ یہاں اس موسم میں سبزی کا نام بھی نہ ہونا چاہئے تھا۔ سردی ضرور تھی لیکن اتنی زیادہ نہیں جتنی ٹیکم گڈھ میں ہوتی تھی۔

دن ڈھلتے ڈھلتے وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہ ایک گاؤں تھا اور یہاں ایک بڑی سی پتھر کی عمارت تھی جس کے سامنے مسلح آدمیوں کا ایک دستہ پہرہ دے رہا تھا۔

فریدی کے ہمسفروں میں سے ایک نے اپنی جیب سے پیلے رنگ کی ایک جھنڈی نکالی اور اُسے اپنی رائفل کی نال پر لگا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا مسلح محافظ دستے کے قریب پہنچ گیا۔

پھر فرزانہ کا اسٹریچر بڑے ادب و احترام کے ساتھ عمارت کے اندر پہنچا دیا گیا۔ فریدی کے ساتھ بھی کوئی بدسلوکی نہ کی گئی۔

انہیں ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔

فرزانہ کے لئے یہ لمحہ حیرتوں کا لمحہ تھا۔ فریدی البتہ بہت پُر سکون تھا۔ کمرے میں قاسم اور حمید ایک لڑکی کے ساتھ موجود تھے۔ قاسم سو رہا تھا حمید اور وہ لڑکی بیدار تھے۔

"ارے آپ....!" حمید فرزانہ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ یہاں۔" فرزانہ تقریباً چیخ پڑی۔

پھر حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور اسے اجنبیوں میں سے سمجھ کر پھر فرزانہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ یہاں کیسے پہنچیں۔"

"گردش تقدیر۔" فرزانہ نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میری ہی طرح آپ بھی اسیر ہیں۔"

"اوہ....!" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

دفعتاً قاسم نے سوتے سوتے چیخ ماری اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ اپنی سرخ سرخ آنکھیں پھاڑے بڑبڑا رہا تھا۔ "وہ بھاگا.... سر کچل دو.... بونا.... بونا.... بونی.... اور بچاؤ.... گردن نکل گئی.... ہاتھ نکل گئے.... سر کچل دو۔"

حمید اس پر ٹوٹ پڑا اور بڑی جدوجہد کے بعد اُسے دوبارہ لٹانے میں کامیاب ہو سکا۔

"انہیں کیا ہوا۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"بڑا تیز بخار ہو گیا ہے۔ کسی کو پہچانتا نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا ان لوگوں میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... لیکن وہ لوگ اسے کوئی دوا دے رہے ہیں۔"

"مسموم انجرات دماغ کی طرف مائل پرواز ہیں۔" فرزانہ نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"بلکہ معدے میں دماغ کی طرف ان کا انتقال زمانی و مکانی ہو رہا ہے۔" حمید جل کر بولا اور فریدی اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔

فرزانہ اس طرف مڑ کر بولی۔ "یہ دونوں حضرات ہمارے ساتھ کے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی لیکن...." فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ ہمراہیوں میں سے ایک آدمی کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"آپ لوگوں کا کھانا بھی یہیں بھیج دیا جائے یا الگ کھائیں گے۔" اُس نے پوچھا۔

"کھانا....!" قاسم نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے کھانا۔"

حمید وغیرہ بھونچکے رہ گئے۔ کیونکہ وہ تو یہی جانتے تھے کہ قاسم بیہوش پڑا ہے۔

"کہاں ہے کھانا۔" اُس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ پھر اُس نے دروازے کی طرف بھاگنا چاہا۔ حمید اسکی کمر سے لپٹ گیا۔ لیکن وہ بھلا حمید کے بس کا تھا۔ کھانے کے متعلق پوچھنے والا بھی بوکھلا گیا تھا۔

"آپ ہٹ جایئے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

اُس نے قاسم کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے قاسم حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ لیکن پھر وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکا۔ حمید حیرت سے اُس اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔

"آیئے۔" فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

اُن دونوں نے اُسے پھر پلنگ پر ڈال دیا۔

"ارے غضب خدا کا.... یہ کیا ستم ہے۔ بھوکوں مار ڈالا۔" قاسم چیختا رہا۔

"ارے قاسم صاحب۔" فرزانہ بولی۔ "آپ کے لئے مقاطعہ جوئی ہی مناسب ہے۔"

"ارے.... ہائیں۔" قاسم آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مل کر دوبارہ اُس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"حمید بھائی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "میں کہاں ہوں۔"

"وہیں جہاں پہلے تھے۔"

"لیکن آپ۔" وہ فرزانہ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"آپ بھی آ پھنسی ہیں۔"

وہاں انہیں قیام کئے ہوئے تین دن گذر چکے تھے اور ان تین دنوں میں قاسم نے حمید کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور اب اسی مسئلے پر حمید قاسم کو بور کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ شکاری نے فرزانہ سے عشق شروع کر دیا ہے۔" حمید بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"اگر ایسا ہے تو میں شکاری کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، جو فرزانہ کے ساتھ آیا ہے۔" قاسم پُر جوش لہجے میں بولا۔

"سنو قاسم! وہ شکاری تم سے زیادہ طاقتور معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھ سے زیادہ.... ہونہہ.... ابھی میں اس کی گردن توڑ سکتا ہوں۔" قاسم نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔

"اوہو.... تو کیا آپ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔" دروازے کے قریب سے آواز آئی

حمید اور قاسم دونوں پلٹ پڑے۔ شکاری دروازے میں کھڑا تھا۔

"ارے! ہی ہی ہی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔" قاسم ہنسنے لگا۔

اور یہ حقیقت تھی کہ قاسم اُس دن والے واقعے کے بعد سے مار پیٹ کے مواقع سے کترانے لگا تھا۔ اس نے وحشیوں کے سردار کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ لیکن وہ رات کو سوتے سوتے چیخنے لگتا۔ کبھی نیند ہی میں اٹھ کر بھاگتا اور اس طرح گر پڑتا جیسے اس نے وحشیوں کے سردار کو دیکھا ہو۔

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "یہ بڑے پر مذاق آدمی ہیں۔"

"اوہ.... کوئی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر اُس نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔ وہ بڑی دیر تک اس عجیب و غریب سفر کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

"میرا خیال ہے کہ ہم لوگ پاگلوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔"

"کیوں؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس طرح تشدد سے لائے تھے اور اب اتنے اخلاق سے پیش آ رہے ہیں کہ ہر وقت کئی خدمت گار ہمارے پاس موجود رہتے ہیں۔ جیسے ہم کسی ریاست کے شاہی مہمان ہوں۔ آخر اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"بس دیکھئے جائیے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں وہ دونوں ہمسفر بھی وہاں آ گئے۔

"اب تو بتا دیجئے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"اوہو! اتنی جلدی کیا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "خوب گھومئے پھریئے تھکن اتاریئے۔ ایسی عظیم الشان جگہ آپ کو روئے زمین پر نہ ملے گی۔"

"کیا ہم بغیر پابندی کے باہر نکل سکتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! بڑی خوشی سے۔ یہاں ہر گلی کوچے میں آپ کا شاندار استقبال ہوگا۔ یہ لیجئے۔"

اس نے جیب سے چاندی کے تین بیج نکالے، جو عقاب کی شکل کے تھے اور اُن پر کسی نامعلوم زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

"یہ بیج آپ کو کہیں بھٹکنے نہ دیں گے۔ آپ جب بھی محسوس کریں کہ آپ راستہ بھول

رہے ہیں تو کسی کو بھی بیج دکھا دیجئے گا۔ وہ آپ کو یہیں پہنچا دے گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" قاسم قہقہہ لگا کر بولا۔ "لیکن وہ تگڑی تگڑی عورتیں کہاں ہیں۔"

"ایک دو نہیں! درجنوں حاضر کر دی جائیں گی۔"

"درجنوں! ہاہا۔" قاسم نے پھر قہقہہ لگایا۔ "یعنی بہت سی.... یعنی عورتیں.... جو مجھ سے خوف نہ کھائیں گی.... ہاہاہا۔"

"جی ہاں.... وہ آپ سے محبت کریں گی۔"

"محبت.... ہی ہی۔" قاسم دانتوں میں انگلی دبا کر شرما گیا۔

حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ جوتا لے کر پل پڑے۔

"وہ لڑکی کہاں ہے، جو میرے ساتھ آئی تھی؟" فریدی نے دریافت کیا۔

"وہ بھی آرام سے ہیں۔"

"میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"دیکھا حمید بھائی.... میں نہ کہتا تھا۔" قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" ہمسفر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "وہ یہیں پہنچا دی جائے گی۔ ابھی لاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا.... اور قاسم فریدی سے الجھ پڑا۔

"تم کون ہو۔ اُسے اپنے ساتھ رکھنے والے۔"

"آپ بعض اوقات بہت زیادہ بدتمیز ہو جاتے ہیں۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"دیکھو میاں شکاری میں! میں گردن توڑ دیا کرتا ہوں۔" قاسم غرا کر بولا۔

"قاسم کیا بک رہے ہو؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"چپ رہو حمید بھائی۔ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔"

"انہیں اپنا غصہ اور زیادہ خراب کرنے دیجئے آپ خواہ مخواہ دخل دے رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم مجھ سے لڑو گے مجھ سے۔" قاسم کے چہرے کا رنگ یک بیک اتر گیا اور وہ آہستہ سے پھر کرسی پر ڈھیر ہو کر فریدی کو گھورنے لگا۔

"ابھی بجے ہو بجے۔" فریدی مسکرایا۔ قاسم کچھ کہنے جا رہا تھا کہ بیچ سے حمید نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے اس احمق کی زیادتیوں پر ندامت ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بے وقوف آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا کہا؟" قاسم پھر غرایا۔ لیکن حمید نے اس کا شانہ تھپک کر اُسے خاموش کر دیا۔

فریدی کو اس بات کی خوشی تھی کہ حمید اُسے اتنے قریب سے دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکا اور یہ بہر حال اس کے میک اپ کی خوبی تھی اور اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اب آنکھوں کی بناوٹ بھی تبدیل کرنے پر قادر ہو گیا تھا۔

فریدی جب باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگا تو حمید اور قاسم بھی اس کا ساتھ دینے پر مصر ہو گئے لیکن فریدی نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر روک دیا۔

فریدی تھوڑی دیر تک پہاڑیوں کے پُر پیچ راستوں پر ادھر اُدھر بے مقصد گھومتا رہا اس کے بعد وہ وہاں سے نکل کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی اپنے سامنے ایک آدمی کو آتا ہوا دیکھ کر یک بیک چونک پڑا۔ اور وہ جان بوجھ کر اُس آدمی سے ٹکرا گیا۔

"تم کیسا آدمی ہے۔ دیکھ کر نہیں چلتا۔" وہ ناخوشگوار لہجہ میں بولا۔

"جب تم اچھی طرح اردو بول سکتے ہو تو کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ایں.... کیا مطلب۔" وہ آدمی فریدی کو گھورنے لگا۔

"مطلب وطلب کچھ نہیں جانتا۔ یہ بتاؤ کہ تم فزارو ہوٹل سے کب یہاں آئے۔"

"کیا....؟" وہ آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

"آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟" فریدی مسکرایا۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"اس کی کوشش نہ کرو۔ یہ بتاؤ تم رہتے کہاں ہو۔"

"جی.... جی میں....!"

"گھبراؤ نہیں میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔"

''میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔''اُس آدمی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

''یہاں سے واپس جانا چاہتے ہو؟''فریدی نے سوال کیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''سب کچھ ہو سکتا ہے کل مجھ سے یہیں پر ملنا۔''

فریدی یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ آدمی اپنی جگہ پر کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد فریدی کو پھر ایک جانی پہچانی صورت نظر پڑی۔ وہ غوث تھا مشہور کوکین فروش اور کئی دفعہ کا سزا یافتہ۔ وہ ایک قبائلی کے ساتھ بڑے رازدارانہ طریقے سے گفتگو کر رہا تھا۔ فریدی اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔''یہ غوث بھی یہاں آگیا۔''وہ اپنے دل میں بڑبڑایا اور ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پیچھے چھپ کر اس کی گفتگو سننے لگا۔

جب وہ اپنی بات ختم کر کے جانے کے لئے مڑے اور غوث تنہا رہ گیا تب فریدی نے پیچھے سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کون؟''غوث یک دم اچھل پڑا۔

''آپ کا پرانا دوست.....!''فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں آپ کو نہیں جانتا۔''غوث اپنا نچلا ہونٹ سکوڑ کر بڑی بے اعتنائی سے بولا۔

''ٹھیک ہے۔ کوکین کی زیادتی دماغ پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ خاص کر اس وقت جب وہ جرائم کرنے کے لئے اپنے کو بالکل آزاد پاتا ہے۔''

''آخر تم کون ہو اور اس بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔''غوث کے لہجہ میں استعجاب تھا۔

''ہاں اب تم مجھے کیوں پہچاننے لگے۔ یار کوکین کی آمدنی میں اب میں تم سے حصہ نہ مانگوں گا اطمینان رکھو۔''

''تم پاگل ہو۔''غوث بگڑ گیا۔

''دیکھو بلاوجہ غصہ دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں یہ بتاؤ کہ کیسی کٹ رہی ہے۔ جگہ تم نے بہت اچھی تجویز کی ہے۔''فریدی مسکرا کر بولا۔

''مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''اس لئے کہ تم میرے پرانے ساتھی ہو۔''

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" غوث پھر چلایا۔

"بھئی دیکھو اب مذاق نہ کرو کیا تم دو سال تک جھریالی جیل میں میرے ساتھ نہیں رہے کیا اس سے قبل تین بار جیل نہیں جا چکے ہو کیا تمہارا نام غوث نہیں ہے۔"

"اچھا بس کرو میرے بھائی اب یہ بتادو کہ تم کون ہو؟" غوث گڑگڑا کر بولا۔

"میں تمہارا ساتھی قامت خاں ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"غلط میرا کوئی ساتھی اس نام کا نہیں ہے۔" غوث کے لہجہ میں پھر جھلاہٹ تھی۔

"تو پھر نہ ہوگا۔' فریدی بڑی سادگی سے بولا اور پھر جانے کے لئے مڑ گیا۔

"ارے بھائی۔" غوث بڑے خوشامدانہ لہجہ میں بولا۔ "میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں مجھے صرف یہ بتادو کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح سے آئے۔"

"جس طرح سے تم لائے گئے ہو۔"

"لیکن تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم پرانی کوٹھی والی گلی میں کچی شراب بنایا کرتے تھے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" غوث نے اپنے بال کھینچ لئے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "میں تمہیں صرف اس شرط پر سب کچھ بتا سکتا ہوں کہ تم مجھ سے دوستی کرلو۔"

"منظور.....!" غوث نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

"اچھا اب میرے ساتھ آؤ۔" فریدی غوث کو لئے ہوئے پہاڑی کے ایک غیر آباد حصہ کی طرف چلا گیا۔

کافی دیر بعد جب فریدی وہاں سے لوٹا تو وہ بالکل تنہا تھا اور اس کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

اس طرح سے فریدی کئی آدمیوں سے ملا لیکن اس کی خبر حمید وغیرہ کو نہیں ہوئی۔ وہ روزانہ شام کو گھومنے کے بہانے نکل جاتا اور کئی گھنٹے کے بعد واپس لوٹتا اور پھر ایک دن فریدی اچانک غائب ہو گیا۔

فریدی کی واپسی

چھ دن بعد ایک شام کو جب فریدی واپس آیا تو اُس کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آ رہی تھی۔

"بھئی حمید صاحب۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "واقعی یہ جگہ عجوبہ روزگار ہے۔"

"کیوں کیا دیکھا آپ نے اور آپ تھے کہاں؟"

"یوں ہی ذرا شکار۔ ہاں میرے مشاہدات تو سنئے۔" فریدی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہاں کے باشندے حد درجہ کاہل ہیں۔ اُن کی کاہلی کا یہ عالم ہے کہ ہر کام کا اختصار دریافت کر کے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ تفریحات بھی اس سے نہیں بچتیں۔"

"وہ کس طرح۔"

"مثال کے طور پر انہوں نے شکار کی جگہ ٹیبل ہنٹنگ[1] کو دی ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میز پر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو ایئر گن سے شکار کرتے ہیں۔"

حمید ہنس پڑا۔ فرزانہ بھی ہنسنے لگی۔ البتہ قاسم منہ پھلائے رہا۔

"یہاں کے باشندے ایک دوسرے کو دیکھ کر اس طرح بسورتے ہیں جیسے رو پڑیں گے۔ یہ اُن کا سلام ہے۔ سڑکوں پر چلنے والے چار چھ قدم چلتے ہیں اور پھر رک کر سوچنے لگتے ہیں۔ عورتیں آپس میں گفتگو کرتی ہیں تو ایسا جان پڑتا ہے جیسے بین کر رہی ہوں۔ ہر شخص بیزار بیزار سا نظر آتا ہے۔ ہر عورت اپنے ساتھ ایک بکرا رکھتی ہے اور کبھی کبھی یہ بکرے مردوں سے لڑ پڑتے ہیں۔ تندرست ترین بکرا رکھنے والی عورت کو خطاب ملتا ہے اور حمید صاحب ہم لوگ قربانی کے بکرے ہیں۔"

"اور اس کا مقصد....!" حمید نے پوچھا۔

"مقصد بے حد خطرناک ہے۔" میں نے ساری معلومات فراہم کر لی ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکم گڈھ کے آگے بنجر اور غیر آباد علاقے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ کسی نے کبھی اس طرف آنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کی۔ یہاں تک کہ شائد ادھر سے ہوائی جہاز بھی نہیں گذرتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ٹیکم گڈھ کا اتری پہاڑی سلسلہ

---

[1] میز کا شکار

ناقابل عبور ہے اور ہماری طرف کے لوگ اُن پہاڑی گپھاؤں کو نہیں دیکھ سکتے، جو شائد اشوک کے زمانے کی ہیں۔ پہاڑوں کے اندر ہی اندر ایک میل لمبی سرنگ ہے، جو ان گپھاؤں سے مغرب کی طرف چلی آئی ہے۔ اُسی کے ذریعے ان لوگوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور وہ برف کے بھوت.... وہ شائد اسی سال کی ایجاد ہیں۔"

"برف کے بھوت....!" قاسم اچھل پڑا۔

حمید بڑی تیکھی نظروں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"اور آپ جانتے ہیں کہ میں سرجنٹ حمید ہوں ڈیوٹ نہیں ہوں۔"

"جی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی سٹپٹا گیا۔

"مطلب؟" حمید جھلا کر بولا۔ "آخر اس میں کون سی مصلحت تھی۔"

"ہاں حمید بھائی.... ذرا بڑھ کے.... زندہ نہ جانے پائے۔" قاسم کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو....!" حمید اُس کو گھور کر بولا۔ پھر فریدی سے کہنے لگا۔ "آپ شکل تبدیل کر سکتے ہیں لیکن آپ اس وقت کم از کم حمید کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے۔ جب آپ اپنا کارنامہ بیان کر رہے ہوں۔ سمجھے جناب! آواز بدل دینے سے گفتگو کا مخصوص انداز نہیں بدلا کرتا۔"

قاسم اور فرزانہ حیرت سے حمید کی طرف تکنے لگے۔

"فریدی صاحب سے ملئے۔" حمید نے فرزانہ سے کہا۔

"کیا....؟" فرزانہ چیخی۔

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"معجزہ! فرق عادات۔" فرزانہ سینے پر ہاتھ رکھے اور آنکھیں پھاڑے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اقصائے عالم میں فریدی صاحب جیسے عجوبہ کی مثال ملنی دشوار ہے.... بوالعجب.... بوالعجب۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر یہ لوگ ہمیں کیوں پکڑ لائے۔"

"میں نے کہا نا کہ ہم قربانی کے بکرے ہیں۔ بہر حال کل صبح تک کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آج تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا لیکن...." فریدی سوچنے لگا۔

"اچھا ٹھہرو.... میں تمہیں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔" فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

موت کے ہرکارے

رات تاریک تھی۔

فریدی پتھریلی زمین کے ناہموار راستوں سے گذرتا ہوا ایک سنگی عمارت کے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا۔

اُس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک بھیانک سناٹا ماحول پر طاری تھا۔ اُس نے اُوپر کی طرف دیکھا۔ شیشے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ لیکن ان پر روشنی کی چھوٹ پڑ رہی تھی۔ اس دور دراز علاقے میں ایک ایسی عمارت کا وجود فریدی کے لئے تعجب خیز تھا۔ اچانک اسے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز سنائی دی اور پھر ایک عجیب قسم کی زہریلی بدبو پھیل گئی۔

فریدی نے ناک پر رومال رکھ لیا۔ کسی نے اوپر کی کھڑکی کھول دی اور گہرے رنگ کا زرد دھواں پھیلنے لگا۔ فریدی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کھڑکی سے کوئی شخص جھانک رہا تھا۔

وہ جب تک کھڑا رہا فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی۔ مگر جب دوبارہ اُس نے کھڑکی بند کر دی تب وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کاٹ کر بنائی گئی اس پرانی عمارت کی دیواروں پر جابجا شگاف پڑ گئے تھے اور پتھروں کی نوکیں باہر نکل آئی تھیں۔ صرف انہیں کے سہارے فریدی اوپر تک پہنچ سکتا تھا۔ صدر دروازے کی طرف سے پہرہ اتنا سخت تھا کہ ادھر سے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

فریدی نے اپنے پنجے گڑا دیئے اور پتھروں کے سہارے اوپر چڑھنے لگا۔ سسکیوں کی آوازیں نزدیک آتی جا رہی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی تکلیف کی شدت سے کراہ رہا ہو۔

فریدی کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اچک کر وہ کمرے کے بغل والی کھلی چھت پر آ گیا۔ اتنے میں کھڑکی پھر کھلی۔

"کون ہے؟" ایک بھاری بھرکم آواز فضا کے سناٹے کو چیرتی ہوئی گونجی۔

کھڑکی کھول کر اپنا آدھا دھڑ باہر نکالے ایک آدمی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی دیوار سے اس طرح چپک گیا کہ اس پر نگاہ نہ پڑ سکے اور تھوڑی دیر بعد جب کھڑکی بند ہو گئی تو وہ پھر چھت سے کمروں کی طرف بڑھا۔

چھت کی طرف ایک محراب تھی اور اندر کئی کمرے تھے۔ راہداری سے گذرتے ہوئے فریدی اُس کمرے کے سامنے رک گیا جہاں سے روشنی نکل رہی تھی۔

دروازہ اندر سے بھڑا ہوا تھا۔ فریدی نے ہلکے سے دھکا دیا اور اندر داخل ہو گیا۔

ایک بڑا وسیع کمرہ تھا جسے لیبارٹری کی شکل دی گئی تھی۔ فاسفورس کی تیز بو سے کمرہ بسا ہوا تھا۔ بیچ میں آرام کرسی پر ایک آدمی پڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ ایک ٹک چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی کے اندر داخل ہونے پر بھی اُس کے اندر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اُسی طرح اس کی آنکھیں چھت کی طرف ٹنگی رہی۔

فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر ہاتھوں کو جھنجھوڑا۔

"یہ کیا کرتے ہو.... ارے...." پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔

فریدی نے گھوم کر دیکھا۔

"اوہ.... تم ہو۔" آنے والے نے کہا۔ "کیسے آئے۔"

فریدی کے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ پھیل گئی جیسے وہ بہت ڈر گیا ہو۔ آدمی اُسے اب تک گھور رہا تھا۔

"کیا یہ مر گیا۔" فریدی کے منہ سے نکلا۔

"ہاں.... مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو۔"

اس نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

"بیٹھ جاؤ....!" اُس نے فریدی سے کہا۔

فریدی بیٹھ گیا۔

"دراصل میں تمہاری جرأت اور بہادری سے بہت خوش ہوں۔ ورنہ حشر تو تمہارا بھی یہی ہو سکتا تھا۔ اب دیکھو.... تم ادھر سے دیوار کے سہارے چڑھ کر آئے.... پھر چھت پر کھڑے رہے۔ تم سمجھ رہے تھے کہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے مگر بات ایسی نہیں تھی اور اگر میں چاہتا تو تمہیں اُسی وقت ختم کر دیتا مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔"

"آخر اس طرح لوگوں کے لائے جانے کا مقصد کیا ہے؟ ہم واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے۔" اُس آدمی کے لہجے میں نرمی آگئی۔

"نہیں تکلیف تو کوئی ایسی خاص نہیں.... لیکن....!"

"تم شائد بھول رہے ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تمہارا پھانسی پا جانا یقینی ہے۔ تم ٹیکم گڈھ میں فزارو میں ٹھہرے تھے؟"

"ہاں....!"

"تم نے فزارو کے منیجر کو اپنی ٹامی گن سے دھمکایا۔ جانتے ہو اس سے قتل عمد کا جرم بنتا ہے۔"

"ہاں....!"

"پھر.... تم پر مقدمہ چلے گا اور تمہیں پھانسی ہو جائے گی۔"

"ہوں....!" فریدی نے کہا۔

"کچھ پڑھے لکھے ہو۔"

"ہاں....!"

"کیا ہاں، ہوں کئے جا رہے ہو۔ کیا اسی لئے میرے پاس آئے تھے۔"

"ڈاکٹر سڈلر....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ان میں ایک بھیانک سرخی جھلک اٹھی۔ "یہ آدمی کون تھا۔"

ڈاکٹر ایک لمحہ کے لئے بھونچکارہ گیا.... وہ فریدی کو بڑی حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم.... تم کون ہو.... یہ نام تمہیں کس نے بتایا۔"

فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ وہ اٹھ کر میز کے قریب آگیا۔

"تم ابھی تو مجھے بچوں کی طرح پڑھا رہے تھے اور اب یکایک صرف اپنا نام سن کر گھبرا گئے۔"

"کون ہو تم؟" ڈاکٹر سڈلر گرجا۔ وہ فریدی کی طرف جھپٹا۔

"اوہ! ڈاکٹر! ذرا صبر سے کام لو۔ تمہیں کم از کم آج کی رات خون سے پرہیز کرنا ہے۔ خون کی بو تمہارے تجربے اور سالہا سال کی محنت کو غارت کردے گی۔"

ڈاکٹر سڈلر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم جانتے ہو! تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔" ڈاکٹر نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"اب اگر بتا رہے ہو تو یہ میری معلومات میں ایک اضافہ ہوگا۔"

ڈاکٹر سڈلر بے بسی کے عالم میں کھڑا تھا۔ فریدی کے ہاتھ میں نہ تو پستول تھا اور نہ رائفل۔ مگر پھر بھی وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ڈاکٹر بالکل بے بس ہو۔

باہر شور و غل کی آواز آ رہی تھی۔ ڈاکٹر یک بیک چونکا۔

"پیارے! اس طرح نہ گھبراؤ.... باہر کوئی بھوت نہیں ہے۔" فریدی کے لہجے میں طنز جھلک رہا تھا۔ "میرے کچھ ساتھی ہیں۔ انہیں میں ہدایت دے آیا ہوں۔ وہ آ رہے ہوں گے۔"

"تم.... کمینے.... وحشی۔" ڈاکٹر نے دانت پیستے ہوئے آگے بڑھنا چاہا۔

"دیکھو یہ بُری بات ہے۔ میں بالکل نہتا ہوں۔ تمہیں اس طرح آگے نہ بڑھنا چاہئے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اُس نے شیشے کی ایک نلکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"چچ چچ! یہ کیا کرتے ہو۔ کھڑے رہو۔ یہ تو تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میرے پاس کیا ہے؟ اس چھوٹی سی شیشی میں بھرے ہوئے مادے کے یہ ذرات جنہیں تم نے اتنی محنت سے بنایا ہے میری انگلیوں کی ذرا سی جنبش سے بکھر جائیں گے پھر اس کی تیاری میں تمہیں ایک مدت لگ جائے گی۔ تم مر کر بھی اسے تیار نہ کر پاؤ گے! اس لئے! میرے پیارے ڈاکٹر سڈلر! جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ ورنہ میں اس شیشی کو توڑ ڈالوں گا۔"

فریدی پُر سکون لہجے میں کہتا رہا۔ باہر شور کی آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ دروازہ توڑ رہے ہوں۔

"دیکھو! میرے ساتھی آ گئے۔ ان میں ایک تو وہ ہے جس نے تمہارے دشمن قیطاری قبیلہ کے سردار کا سر توڑ ڈالا تھا۔ دوسرا میرا ساتھی ہے لیکن تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ تمہارے اکثر وہ ساتھی بھی جو میرے ساتھ ہیں جنہیں تم اغواء کرلائے تھے اور پھر جن کو ذرا دھمکا کر پولیس کے خوف سے تم نے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔"

"آخر تم کون ہو؟ اور اس سب بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"میں کون ہوں؟ تم نہیں جانتے؟ ڈاکٹر میرا نام سن کر تمہیں بخار آ جائے گا۔ تم کانپنے لگو گے۔"

باہر شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ حمید اور قاسم اور ان کے ساتھی پھاٹک توڑ کر شائد اندر داخل

ہو چکے تھے۔

اچانک ڈاکٹر سڈلر نے ایک زور کی چیخ ماری اور چکرا کر گر پڑا۔

فریدی اس وقت بہت کچھ سنبھالا لینے کے بعد بھی اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اسے خیال ہوا کہ شائد ڈاکٹر نے آخری وقت قریب دیکھ کر خودکشی کرلی ہے۔ فریدی اس کے ہاتھ میں سرنج دیکھ چکا تھا۔ اُس نے شیشی پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے اور ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

فریدی اُس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

قاسم کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ باہر گولیاں اب تک چل رہی تھیں۔ اتنے میں فریدی کو اپنے پیر میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بے خیالی میں وہ اچھلا اور دوسرے لمحہ وہ ڈاکٹر سڈلر کی مکمل گرفت میں تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے کرسی سے باندھ دیا تھا درد کے مارے فریدی کا سارا جسم پھٹا جارہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے جسم میں سوئیاں تیر رہی ہوں۔

ڈاکٹر سڈلر اُس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کہو صاحب زادے۔" اُس نے قہقہہ لگایا۔ "اب خیریت کا خط لکھتے رہنا۔ ڈاکٹر سڈلر سے لڑنا آسان کام نہیں ہے۔"

"تم بھی نہ بچ سکو گے۔" فریدی پُر سکون لہجے میں بولا۔

"ابے جا مسخرے! تو نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟" ڈاکٹر سڈلر حقارت سے بولا۔ اچانک وہ مڑا اور میز پر ہاتھ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کوئی پروفیسر کلاس روم میں لڑکوں کے سامنے لیکچر دیتا ہے۔

"مسٹر! تم کیا کرنے آئے تھے یہاں۔ پتہ نہیں تمہاری ہمت کیسے پڑی۔ خیر! تم معمولی آدمی ہو۔ حماقت کر بیٹھے۔ اب نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بلا وجہ تم نے اپنی موت کو دعوت دی ورنہ میرا تمہارا کیا مقابلہ؟" وہ پُر جوش لہجے میں بولا۔ "میری ایجاد پر دنیا کانپ اٹھے گی۔ دنیا کا ہر ملک مجھے خریدنا چاہے گا اور جانتے ہو اس وقت میری قیمت کیا ہو گی؟ پانچ ملین ڈالر! کبھی اتنے ڈالروں کا نام خواب میں بھی سنا ہے؟ نہیں سنا ہو گا مجھے یقین ہے۔" وہ آپ ہی آپ پھر بڑبڑانے لگا۔ "باہر یہ لوگ اتنا شور کیوں کر رہے ہیں یہ کمبخت راحیل بلا وجہ ساری میگزین خالی کئے جارہا

ہے۔ ارے آنے دو! دو منٹ سے زیادہ ان کو مرنے میں دیر نہیں لگے گی۔“

ایک چیخ فضا میں اُبھری۔

”افوہ! غضب ہو گیا۔ راحیل شائد زخمی ہو گیا۔ اُسی کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اے مسٹر! اونگھو مت! مجھ سے سن لو تا کہ تمہیں حسرت نہ رہ جائے کہ مرنے سے پہلے کسی باوقار آدمی سے سابقہ نہیں پڑا۔ مگر ٹھہرو.... مجھے راحیل کے مرنے کا افسوس کرنے دو۔ بڑا وفادار آدمی تھا۔ مگر تھا بڑا ظالم.... میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے گلا گھونٹتے دیکھا ہے۔ مجھے خون بہانے میں ذرا بھی مزہ نہیں آتا۔ مگر اس سور کو پتہ نہیں کون سی لت تھی۔ اب یہی دیکھو! میں اگر چاہوں تو مچھر کی طرح تمہیں مسل کر رکھ دوں.... مگر نہ.... مجھے جان لیتے ہوئے رحم آتا ہے۔ ایک یا دو کو مارنے سے کیا۔ گلا گھونٹ دیا۔ گولی ماردی! چھرا بھونک دیا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میری ایجاد دیکھو! لوگوں نے بم بنائے جن کے پھٹنے سے درجہ حرارت بڑھ جائے گا اور میں جو ایجاد کر رہا ہوں اُس سے درجہ حراوت نقطہ انجماد پر پہنچ جائے گا۔ ہر چیز جم جائے گی۔ چلتے ہوئے آدمیوں کا خون بند ہو جائے گا۔ ان کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ مرنے میں صرف چند سیکنڈ لگیں گے۔

بس آج کی رات اور! میرا تجربہ قریب قریب مکمل ہو چکا ہے۔ میں دو روز بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر یہ حسین وادی وحشی قبائلیوں کے قبضہ میں آجائے گی۔ اس کا حسن بگڑ جائے گا۔ اُسے بڑی محنت سے میں نے تیار کیا تھا۔ مگر افسوس....!“

ڈاکٹر سڈلر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور فریدی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

”ہیلو! مسٹر.... مگر بھئی مکاری کی حد نہیں ہوتی۔ تم تو ایسا منہ بنا رہے ہو جیسے مرنے کا ارادہ کر رہے ہو؟ یہ کیا بد تمیزی ہے! میں نے تمہیں صرف نیم بیہوشی کا ہلکا سا انجکشن دیا تھا۔“ ڈاکٹر سڈلر ہنستے ہوئے بولا۔

نیچے اب بھی شور ہو رہا تھا۔ وہ لوگ شائد ڈاکٹر کے آدمیوں کو ختم کر کے سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اتنے میں وسل کی آواز سنائی دی۔

”پولیس....!“ ڈاکٹر سڈلر بڑبڑایا۔ ”یہ کتے کہاں سے آگئے۔ انہیں راستے کا پتہ کیسے چلا۔ ضرور کسی نے غداری کی.... مگر....!“ وہ آپ ہی آپ رک گیا۔

"کیاان کے دل سے بھوت کا خوف نکل گیا۔ یہ تو بہت بُرا ہوا.... خیر دوستو آؤ! اب تمہیں اس کمرے میں دو لاشیں ملیں گی۔ ایک اُس نوجوان کی اور دوسرے میرے تجربے کے شکار کی۔ ڈاکٹر سڈلر تو جاتا ہے۔ تم اب اُس کی گرد بھی نہ پاسکو گے۔" وہ مسکراتے ہوئے ایک کمرے کی طرف بڑھا۔

"ماسٹر! دنیا کا ہر آدمی ہائیر سکسول یا شدید قسم کی جنسی خواہشات کا شکار ہوتا ہے۔ یہ کمزوری میرے ساتھ بھی ہے۔ اب دیکھ لو کہ ایسے وقت میں بھی بغیر عورت کے نہیں بھاگ سکتا۔"

ڈاکٹر سڈلر نے کہا۔ اُس نے دراز سے کچھ کاغذات نکالے اور انہیں جلانے لگا۔

"اب یہ فارمولا کسی کو نہ معلوم ہو سکے گا۔" اس نے پھر کہا اور شیشی اٹھا کر جیب میں رکھ لی۔

"کتنی عورتیں! اور کتنے مرد لایا! افسوس کہ اب سب مر جائیں گے۔ مریں مجھے کیا؟ ایک نہ ایک دن تو مرتے ہی! آج ہی مر جائیں۔ کیا فائدہ ان کے بچنے سے، انہیں تو میں نے اکٹھا ہی اسی لئے کیا تھا۔ میں نہ مارتا تو قیطاری مار ڈالتے۔ پولیس پکڑ لیتی۔"

ڈاکٹر سڈلر بڑبڑاتے ہوئے دوسرے کمرے میں گیا اور ذرا ہی دیر بعد نکل آیا۔

فریدی خاموش کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ رہ رہ کر اُس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ وہ اس طرح ڈاکٹر سڈلر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی بات کا منتظر ہو۔

نیچے کا شور بھیانک ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈلر نے اپنے خونخوار کتے چھوڑ دیئے تھے۔ یہاں کے لوگ فریدی کے اکسانے پر اس جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آخری جدوجہد کر رہے تھے۔ وہاں کتوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ اُن کے قدم اُکھڑ رہے تھے۔ مگر ڈاکٹر کے ساتھی بھی بہت تھوڑے رہ گئے تھے۔

ڈاکٹر سڈلر بہت جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی کی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شائد اسے پہچان بھی نہ پاتا! سیتل گھاٹی میں جو بھوت دیکھے گئے تھے ان میں اور ڈاکٹر میں کوئی فرق نہ تھا۔ فریدی کو دیکھ کر اُس نے ایک قہقہہ لگایا۔

"تمہارے ساتھی بڑے بدتمیز معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اتنا بھی خیال نہیں کہ ایک سائنس دان سفر کی تیاری کر رہا ہے...." وہ ہنسا اور اچانک اُس کی آواز میں سختی پیدا ہو گئی۔ "ٹیکم گڈھ میں بھی کچھ گڑبڑ ہے۔ ابھی میں نے وائرلیس سے فزارو میں منیجر اور غرتاش سے بات کرنی چاہی مگر

ئی جواب نہیں آیا۔ شاید پولیس کے ہتھے چڑھ گئے۔''

نیچے ہنگامہ اور تیز ہو گیا تھا۔ لوہے کے جنگلے دار دروازوں پر پولیس زور آزمائی کر رہی تھی۔ اروں طرف بوٹوں کی کھڑکھڑاہٹ اور سیٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

''تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں پاگل ہوں، جو اتنا وقت خراب کر رہا ہوں۔ مجھے انتظار ہے اور تظار کا وقت باتوں ہی میں کٹتا ہے۔''

بے چینی سے ٹہلتے ہوئے اُس نے گھڑی دیکھی۔

چھن کی آواز ہوئی اور کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر گر پڑا۔

''ارے غضب ہو گیا۔ یہ لوگ چھت پر آ گئے۔''

ڈاکٹر سڈلر کے منہ سے نکلا۔ اُس نے شیشے کی ایک پتلی سی نلکی اٹھائی اور اسے اسپرٹ لیمپ طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''لو میاں! اب یہ بظاہر بیکار سی چیز کار آمد ہو جائے۔ پانچ منٹ بعد یہ پھٹے گی اور اس میں سے یک باریک دھوئیں کی دھار نکلے گی اور وہ تم سب لوگوں کے لئے کافی ہو گی۔''

لو تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ ڈاکٹر سڈلر اُسے اسپرٹ لیمپ کے قریب لے گیا۔

''سب تیار ہے۔'' پیچھے سے کسی نے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر نے گھوم کر دیکھا۔

''اچھا....!'' ڈاکٹر کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی۔

آنے والا جیسے ہی مڑا ویسے ہی ڈاکٹر کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

تابڑ توڑ کئی گولیاں کھڑکیوں کے شیشے توڑتی ہوئی گذر گئیں۔

ہوا یہ کہ فریدی اب تک بڑی خاموشی سے ڈاکٹر سڈلر کی بات سن رہا تھا۔ اس سے پہلے جب اکٹر کی نظر بچی تھی وہ اپنی کرسی کھسکا کر میز کے قریب ہوتا گیا تھا۔ دوبارہ جب ڈاکٹر واپس آیا تو ہ اس کے بالکل قریب تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر مڑا، فریدی کرسی سمیت اس پر گر پڑا۔

ڈاکٹر اس غیر متوقع حملہ کے لئے تیار نہیں تھا۔ سنبھلتے سنبھلتے وہ گر پڑا۔ اُس کے ہاتھ سے ثیشے کی نلکی گر پڑی تھی۔ اُس نے اٹھنا چاہا مگر اُس کے اٹھنے سے قبل ہی فریدی نے اپنے جسم سے لر اُس کو دھکا دیا۔

ڈاکٹر کا ساتھی، جو اُسے اطلاع دینے آیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی پلٹ پڑا۔ بے تحاشہ اُس نے فریدی پر کرسی کھینچ ماری۔ فریدی غالباً اس کے لئے تیار تھا ذرا سا جیسے وہ ہٹا پوری کرسی ڈاکٹر سڈلر کے اوپر پڑی۔

جھنجھلا کر اُس نے لوہے کا ایک موٹا سا رول اٹھایا۔

اتنے میں دو آدمی کھڑکیوں کے راستے سے اندر کود آئے۔

"حمید بھائی..... دیکھتے ہو سالے کو۔" کہتے ہوئے قاسم ڈاکٹر کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔

حمید نے جلدی جلدی فریدی کی رسیاں کھول دیں۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔

ڈاکٹر سڈلر خاموش پڑا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بازی ہار گیا ہے لیکن اب بھی امید تھی۔ حمید کو فریدی کی طرف متوجہ پا کر اور قاسم کو اپنے ساتھی سے لڑتا ہوا دیکھ کر ڈاکٹر سڈلر نے موقع کو غنیمت جانا۔ چپکے چپکے وہ سرکتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور پھر جلدی سے اٹھ کر بھاگا۔

حمید نے دیکھ لیا بے اختیار اُس نے کئی گولیاں خالی کر دیں۔

اور پھر یکا یک دہشت کے مارے اُس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر پڑا۔ سیتل گھاٹی والا بھوت اُس کے سامنے تھا۔ وہ گولیاں برسا رہا تھا اور گولیاں اس پر اثر نہیں کر رہی تھیں۔

فریدی چھوٹتے ہی ڈاکٹر کی سمت میں دوڑا۔ پہلے کمرے کو پار کرتے ہی اُسے شعلے دکھائی دیئے۔ ڈاکٹر نے بھاگتے ہوئے آگ لگا دی تھی۔

"حمید..... نیچے اتر جاؤ۔" فریدی وہیں سے چلایا۔

آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ لکڑی کے تختے ٹوٹ رہے تھے اور بڑے بڑے پتھروں کے ٹکڑے ہوا میں اڑ رہے تھے۔

حمید اور قاسم پولیس کے ہمراہ عمارت خالی کر چکے تھے۔ ڈاکٹر سڈلر کے سب ہی ساتھی یا تو مارے گئے یا گرفتار کئے جا چکے تھے۔ آگ بجھانے کا کام تیزی سے جاری تھا۔ مگر ایسا لگتا تھا جیسے ساری عمارت جلا کر ہی آگ دم لے گی۔

مگر اس ہنگامے میں فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید چاروں طرف اُسے ڈھونڈ رہا تھا۔ گھبرا گھبرا کر وہ میجر نصرت سے پوچھتا اور پھر ڈھونڈنے لگتا۔

اچانک آگ کے شعلوں میں فریدی اُسے دکھائی دیا۔ وہ جلتی ہوئی ایک شہتیر کے سہارے

گے بڑھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب! خدا کے لئے۔" حمید چلایا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑا۔

"دیکھ رہے ہو..... خدا کی قسم..... یہ آدمی کا کام نہیں ہے.... فریدی صاحب۔" حمید پھر چلایا۔ "لوٹ آیئے...." وہ دوڑنے لگا۔

مگر فریدی نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ تیزی سے ایک طرف کود گیا۔ ڈاکٹر سڈلر بھاگ رہا تھا۔ اُس نے اپنے فرار کے راستے خود ہی مسدود کر دیئے تھے۔

فریدی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ایک کنگورے کے پاس آ کر وہ رکا۔ چاروں طرف شعلے بھڑک رہے تھے۔ فریدی کو نہ پا کر اُس نے اطمینان کی سانس لی۔ پنجوں کے بل اُس نے اترنا چاہا۔

ایک آہنی ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔ ڈاکٹر تلملا کر مڑا۔

سامنے فریدی کھڑا تھا۔

"تمہیں اب بھی شبہ ہے کہ تم زندہ بچ سکو گے؟" دانت پیستے ہوئے وہ فریدی کی طرف بڑھا۔

"ڈاکٹر.... فریدی اپنے شکار کو زندہ پکڑنا بھی جانتا ہے۔"

"فریدی.... تم.... تم ہندوستانی کتے۔" ڈاکٹر پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا اور پھر بے تحاشہ وہ فریدی پر ٹوٹ پڑا۔

فریدی ذرا سا ہٹا۔ پھر اُس نے تان کر ایک گھونسہ ڈاکٹر کی ناک پر جما دیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا، پھر چوتھا۔

ڈاکٹر سڈلر لڑکھڑایا اور پھر تیورا کر گر پڑا۔ اُس کا سارا منہ خون سے تر تھا۔

فریدی کئی جگہ سے بُری طرح جل گیا تھا۔ جا بجا خراشیں آ گئی تھیں۔ کنگورے پر کھڑے ہو کر وہ چلایا۔

نیچے لوگ آگ بجھانے کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ فریدی کی آواز سن کر وہ ٹھہر گئے۔ منٹوں میں رسیوں کے ذریعہ ڈاکٹر سڈلر اور فریدی نیچے اتار لئے گئے۔

فریدی کو دیکھ کر حمید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ مگر وہ منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

"شکار کھیلنے تشریف لائے تھے! بڑے بالوں والی لومڑیوں کا شکار! ہونہہ!" حمید بڑبڑانے لگا۔

امن کا دشمن

دوسرے ہی دن سب لوگ ٹیکم گڈھ لوٹ آئے۔

غرتاش اور اُس کے دو ساتھی اور فزارو کا منیجر پہلے ہی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈ تو پولیس کی حراست میں تھا ہی۔

تمام واقعات اس طرح اچانک اور ڈرامائی طور پر پیش آئے تھے کہ ہر شخص حیران تھا خصوصاً ڈاکٹر سڈلر کی شخصیت اور اُس کے بھوت کا راز بھی لوگوں کیلئے ایک معمہ سے کم نہ تھا۔

میجر نصرت کے یہاں فریدی کی دعوت تھی۔ حمید اُس روز بہت چہک رہا تھا۔ بغل میر قاسم دانتوں میں انگلیاں دبا کر شرمارہا تھا۔

"حمید بھائی.... وہ مجھے گھور رہی ہے۔"

"تم بھی گھورنا شروع کردو۔"

"سچ....!" قاسم نے کہا اور باقاعدہ طور پر آنکھیں نکال کر فرزانہ کو گھورنے لگا۔

"اُن کا وہ سامان تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا جس کے ذریعہ وہ بھوتوں کا بہروپ بھرتے تھے۔ سفید فر کا وہ لباس، جو رات کو برف کی طرح سفید نظر آتا تھا۔ ڈیڑھ فٹ لمبے مصنوعی پنجے جسے و جوتوں کی طرح پہنتے تھے اور لباس کے نیچے پہننے کے بلٹ پروف[1] اور سب سے زیادہ حیرت انگیز وہ مشین جس سے وہ برف کے ذرات منتشر کرتے تھے۔ اس کا ایک ربڑ کا پائپ برف میں ڈال د جاتا تھا اور دوسرا سرا مصنوعی بھوت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مشین چلتے ہی برف کے ذرات پائپ میں کھنچنے لگتے تھے اور ہاتھ والا سرا انہیں بڑے فورس کے ساتھ منتشر کرتا رہتا تھا۔"

فریدی میجر نصرت کو سمجھا رہا تھا۔ حمید بھی آکر بیٹھ گیا تھا۔

"لیکن مقصد.... آخر اس سے انہیں فائدہ کیا ہوا۔"

"حمید صاحب! یہی تو اصل کہانی ہے۔ ڈاکٹر سڈلر پر جنگ کے بعد اس کی حکومت نے غداری، بغاوت اور سازش کے الزام میں مقدمہ چلایا تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے دو سال بعد اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ٹیکم گڈھ کے نزدیک ایک بار

---

[1] وہ فولادی لباس جس پر گولیاں اثر نہیں کرتیں۔

اُسے دیکھا گیا تھا۔ میرے حافظہ میں یہ چیز محفوظ تھی۔ اسی زمانہ میں اغواء کی وارداتیں ہونے لگیں۔ جسے بد قسمتی سے یہ سمجھا گیا کہ لوگ دراصل برف باری اور شکار کی وجہ سے مر رہے ہیں ہر شخص نے اپنی سمجھ کے مطابق تاویل کی اور ڈاکٹر سڈلر کا مقصد بھی یہی تھا۔ اُس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اشوک اعظم کے زمانے کی گپھاؤں اور سرنگوں کے ذریعہ وہ پہاڑیوں کے اس پار پہنچ گیا وہیں پر اُس نے اپنی لیبارٹری قائم کی۔ لیکن جلد ہی ایک خطرہ اُس کے سامنے آگیا۔ وہاں پر بسنے والے قیطاری قبیلہ کے لوگ اُس کے دشمن ہوگئے اور اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ڈاکٹر نے اُس کے قبیلہ کی عورتوں کو پکڑوالیا تھا۔ اُسے اپنے زہریلے، مہلک اور تباہ کن آلات کے تجربے کے لئے مردوں کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی طرف سے خطرہ دیکھ کر اُس نے بلیک میلنگ شروع کی.... اُس نے ایسے لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا شروع کیا، جو جرائم پیشہ تھے اور پھر انہیں کے ذریعہ اُس نے اغواء کی وارداتیں شروع کردیں، جو مرد یہاں سے جاتے تھے اُن میں سے اکثر اس کے تجربے کا شکار ہوجاتے تھے اور بیشتر قیطاریوں سے لڑنے کے لئے رکھے جاتے تھے۔

گرومی کی لڑکی غائب ہونے کے بعد لوگوں کا دھیان جب سیتل گھاٹی کی طرف گیا اور خود گرومی بھی اس شکست پر جھنجھلا کر منتقمانہ کاروائیوں پر اتر آیا تو ڈاکٹر سڈلر نے بھوت کا ناٹک رچا کر لوگوں کو توہمات میں پھنسا کر خوف زدہ کرنا چاہا۔

میں جب یہاں آیا ہوں اور میرے سامنے فرزانہ کی بیہوشی اور پاگل پن کا واقعہ گذرا ہے، تب ہی سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی بہت زبردست دماغ ہے وہ انجکشن اس قسم کا تھا کہ اس کے بارے میں اپنے یورپ کے قیام کے درمیان میں نے سنا تھا۔ معاً میرا ذہن ڈاکٹر سڈلر کی طرف گیا۔ میں نے واقعات کی کڑیاں ملانی شروع کردیں۔ پرانے ریکارڈ دیکھے۔ واقعات کی نوعیت پر غور کیا اور میرا شک یقین میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات مجھے بھی ایک عام شکاری سمجھ کر پکڑا گیا۔ غرتاش اور فزارو کا منیجر ڈاکٹر سڈلر کے خفیہ ایجنٹ کا کام کر رہے تھے۔ انہیں کے آدمیوں کے ذریعہ میں اور مجھ سے پہلے حمید اور قاسم ڈاکٹر سڈلر کی لیبارٹری تک پہنچے جہاں اس نے ایک چھوٹی موٹی سی ریاست قائم کر رکھی تھی۔ اگرچہ سرنگ کے ذریعہ مجھے لے جایا گیا تھا اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ رازداری سے کام لیا جاسکے پھر بھی میں اپنے ذہن میں سمتوں کے ذریعے رستوں کے نقشے مرتب کرتا گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے کئی مجرم

ایسے دکھائی دیئے جنہیں میں جانتا تھا۔ خفیہ طور پر میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ ڈاکٹر کے ساتھیوں میں سے کئی ایسے تھے جو وہاں سے نکل بھاگنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سارا راز اگل دیا۔ غوث نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ مدد دی۔ اسی نے مجھے بتایا کہ سات دن بعد ڈاکٹر سڈلر یہاں سے چلا جائے گا۔ وقت کم تھا۔ میں اُسی شام کو وہاں سے روانہ ہو گیا۔ قیطاریوں کے سردار کو یقین دلانے کے بعد کہ انہیں ڈاکٹر سڈلر کی چیرہ دستیوں سے نجات مل جائے گی۔ مجھے اُن سے بھی بڑی مدد ملی اور جو راستہ چھ دن میں طے ہونا تھا وہ صرف ڈھائی دن میں طے ہو گیا۔ ٹیکم گڈھ پہنچ کر سب سے پہلے غرتاش اور فزارو کے منیجر کو حراست میں لیا گیا۔ پھر میجر نصرت کو ہدایت دے کر میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے ایک ایک گھڑی کا حساب لگایا تھا۔ میجر نصرت گو کہ اُسی دن چلے اور اُسی رات کو پہنچے جب انہیں پہنچنا چاہئے تھا۔ مگر پھر بھی انہیں ایک گھنٹہ کی دیر ہو گئی، اور اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔" فریدی رک گیا اور اس نے ایک گہرا کش لیا۔

"مگر آپ نہتے کیوں گئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"اُس کے کمرے میں پستول لے کر جانا بے کار تھا۔ پھر میرا مقصد اُسے زندہ گرفتار کرنا تھا اس لئے کہ وہ کوئی معمولی مجرم نہیں ہے۔ اس نے ساری دنیا کو تباہی کے غار میں دھکیلنے کا پلان بنایا تھا اور اگر وہ اپنی ایجاد میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو کسی جنگ باز ملک کے ہاتھ اُسے فروخت کر کے امن کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جاتا۔" فریدی نے کہا۔

"فریدی صاحب! پھر وہ تگڑی تگڑی عورتوں کا لالچ اور اتنی خاطر کیوں کرتے تھے؟" قاسم نے معصومیت سے کہا۔

"یہ نہیں جانتے کہ قربانی کے بکروں کی قربانی سے پہلے خوب خاطر کی جاتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ سب لوگ ہنسنے لگے۔ قاسم پہلے تو پاگلوں کی طرح سب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آپ ہی آپ ہنسنے لگا۔

واپسی پر قاسم راستے بھر چہکتا رہا۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں فریدی صاحب۔" ایک دن اُس نے شرما کر کہا۔

"کیا جانتا ہوں۔"

"وہی.... یعنی کہ.... حمید بھائی نے جو ایک بار مجھ سے کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا۔"

"یہی کہ تم وہ کرلو۔"

"کیا کرلو۔"

"یہی تو کہا تھا کہ اُن سے وہ کرلو.... تو وہ ہو گیا.... انہیں بھی اور مجھے بھی۔"

"کیا ہو گیا؟ کچھ تو بتاؤ۔" فریدی بھی تفریح کے موڈ میں تھا۔

"اجی وہی.... ہی ہی ہی۔" قاسم دانتوں تلے انگلی دباتے ہوئے نظریں جھکا کر آہستہ سے بولا۔ "عشق۔"

"عشق....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "اتنا بڑا ڈیل ڈول لے کر عشق کرتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئے گی۔"

"شرم تو آتی ہے۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"اور میں نے سنا ہے کہ تمہاری شادی بھی ہو چکی ہے۔"

"ہو تو چکی ہے.... مگر....!"

"مگر کیا؟"

"وہ مجھ سے ڈرتی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی چیخ مار کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ ارے لاحول.... چیخ مار کر۔"

"تم نے یقیناً کسی موقع پر اُسے ڈرا دیا ہو گا۔"

"اجی نہیں.... لاحول ولا.... میں تو اُس سے شروع ہی سے ہنسی مذاق کرتا رہا ہوں۔"

"اچھا.... ذرا بتانا تو.... میں بھی دیکھوں کہ تمہارے ہنسی مذاق کا کیا معیار ہے۔"

"میں کبھی کسی سے ہنسی مذاق نہیں کرتا۔ بہت سنجیدہ آدمی ہوں۔" قاسم نے کہا۔ "مگر میرے دوستوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ پہلے ہنسی مذاق کرنا۔ تو جناب میں نے جاتے ہی مذاق ہی مذاق میں مسہری کے دونوں پائے پکڑ کر.... اُسے مسہری سمیت سر سے اونچا اٹھا لیا۔ بس صاحب وہ نہ جانے کیا سمجھی کہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ الا قسم میں ہنس رہا تھا کوئی غصے میں تھوڑا ہی ایسا کیا تھا۔"

فریدی ہنسنے لگا اور قاسم پھر بولا "میں نے اُسے تین طلاقیں زبانی دے دی ہیں اگر زیادہ تاؤ دلایا گیا تو لکھ کر بھی دے دوں گا۔ تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔"

"کس کے لئے۔"

"یہی کہ اگر وہ ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"کیا ہو جائے....!"

"ہی ہی ہی.... شش.... شادی۔"

"فرزانہ سے۔" فریدی نے بگڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیوں بکتے ہو.... اس کے بڑے بڑے الفاظ ہضم کر سکو گے۔"

"میں لغات کا مطالعہ شروع کر دوں گا۔ آپ وہ کرا دیجئے۔"

"وہ کرنل کی بیٹی ہے۔"

"تو میں کسی بھٹیارے کی اولاد نہیں ہوں۔" قاسم بگڑ کر بولا۔ "اگر کرنل صاحب انکار کر دیں گے تو میں سو بار انکار کر دوں گا۔ کیا سمجھتے ہیں وہ اپنے کو۔ میں کسی اور سے وہ کر لوں گا ہاں.... ایسے ایسے کرنل میری جیب میں رکھے رہتے ہیں.... ہاں۔"

قاسم بڑبڑاتا رہا اور سورج غروب ہو گیا۔

تمام شد